سراجُ الدّولہ

سراج الدولہ

ایک تاریخی ڈراما

مصنّف

سچین سین گپتا

ترجمہ

اشفاق حسین

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
نئی دہلی

اشخاصِ ڈراما

سراج الدّولہ ــ نواب ناظم بنگال
غلام حسین ــ نواب سراج الدولہ کا پُرانا خادم
عالیہ ــ ایک رقّاصہ
لطف النّساء ــ سراج الدّولہ کی بیوی
راجہ موہن لال ــ سراج الدّولہ کی فوج کا ایک سپہ سالار
گھسیٹی بیگم ــ سراج الدّولہ کی خالہ
ایک مسلم عورت ــ گھسیٹی بیگم کی خادمہ
راجا راج بلبھ ــ ناظم ڈھاکہ
رائے دُرلبھ ــ سراج الدّولہ کی فوج کا ایک سپہ سالار
واٹس ــ ایسٹ انڈیا کمپنی کے کارخانہ واقع قاسم بازار کا افسرِ اعلےٰ
ریورنڈ اسٹرانگ ــ قاسم بازار کے کارخانے کا پادری
فورتھ ــ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک انگریز ڈاکٹر
میر جعفر علی خاں ــ نواب ناظم کی فوج کا سپہ سالار اعلےٰ

امیر چند — ایک پنجابی قسمت آزما
جگت سیٹھ — مرشد آباد کا ایک ساہوکار
نقیب — سراج الدّولہ کا نقیب
منشی — سراج الدّولہ کا ایک اہلکار
میر مدن — سراج الدّولہ کی فوج کا ایک سپہ سالار
سنفرے — سراج الدّولہ کی فوج کا ایک فرانسیسی سپہ سالار
ہرکارہ — سراج الدّولہ کی فوج کا ایک ہرکارہ
پہلا خادم — سراج الدّولہ کا خادم دسترخوان
دوسرا خادم — ״
تیسرا خادم — ״
کلایو — انگریز فوج کا سپہ سالار
میرن — میر جعفر کا لڑکا
مشعل بردار — میر جعفر کے لڑکے میرن کا خادم
داروغہ — محل مبارک کا داروغۂ زنداں
محمدّی بیگ — سراج الدّولہ کا قاتل
شمع بردار کنیزیں، خادمائیں، درباری، سپاہی اور متفرق اشخاص

Acc No 39149

ایکٹ نمبر ۱

سین نمبر ۱

(مرشد آباد میں بنگال، بہار اور اڑیسہ کے نواب ناظم، نواب سراج الدولہ کے محل ("ہیرا جھیل محل") کا دیوان خاص۔ پردے کے پاس بیچ میں نواب کا تخت ہے اور اس کے دونوں طرف ۲ دو دروازے ہیں جن کے آگے لگتا ہے کہ ۲ دو لانبے دالان ہیں۔

آدھی رات کا وقت ہے۔ دیوان میں کوئی روشنی نہیں ہے مگر دالانوں کی روشنی کچھ کچھ اندر آ رہی ہے اور اس دھندلکے میں دو شخص دکھائی دیتے ہیں، ایک مرد اور ایک عورت۔ وہ دونوں ایک دروازے کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ مرد کی

پیشانی اونچی ہے، ناک لانبی اور خم دار، بھویں گھنی، آنکھیں نہایت تیز اور بولتی ہوئی۔ اُس کا لباس عجیب قسم کا ہے، آدھا ہندوستانی شہری مسلمانوں کا اور آدھا اُس وقت کے انگریزوں کا سا۔ یہ شخص نواب کا مُنہ چڑھا نجی ملازم ہے اور اُس نے اپنے آپ کو درباری مسخرہ بھی بنا رکھا ہے۔ اُس کا نام غلام حسین ہے۔ اُس کے ساتھ ایک بیس سال سے کم کی خوب صورت لڑکی ہے جو اپنی سج دھج سے رقّاصہ معلوم ہوتی ہے۔ اُس کا نام عالیہ ہے۔

اس خاموشی کے عالم میں دالان سے ایک اکیس سال کا خوش رو مرد داخل ہوتا ہے جو ڈھیلا ڈھالا گھریلو لباس پہنے ہوئے ہے اور اپنے دونوں ہاتھ آگے کیے اس طرح چل رہا ہے جیسے بعض لوگ سوتے میں چلتے ہیں۔ جب وہ داخل ہوتا ہے تو غلام حسین اور عالیہ چپکے چپکے باتیں کرنے لگتے ہیں)

غلام حسین : وہ دیکھو اعلیٰ حضرت تشریف لا رہے ہیں!

عالیہ : جاگ رہے ہیں یا سو رہے ہیں؟

غلام حسین : اس کا تو کبھی پتا ہی نہیں چلتا!

(سراج الدولہ سیدھا تخت کی طرف جاتا ہے اور وہاں

پہنچ کر گھٹنوں کے بل جھک جاتا ہے)

سراج الدّولہ : نانا حضور! یقین فرمائیے کہ میں آپ کا حکم بھولا نہیں ہوں۔ ایک ایک لفظ میرے دل پر نقش ہے۔ ان فرنگی تاجروں کا فریب مجھ پر کبھی نہ چلے گا اور اُن کے غرور کا سر کبھی اونچا نہ ہونے دوں گا۔ کچھ بھی ہو اُن کو ہرگز کوئی سیاسی حقوق نہیں دوں گا۔ آپ کا یہ تخت کبھی ان فرنگیوں کے سائے سے ناپاک نہیں ہونے دوں گا۔ خدا کے واسطے، نانا حضور، اپنی رُوح کو بے چین نہ کیجے اور مجھے میرا وعدہ یاد دلانے کے لئے ہر شب مجھے یہاں نہ طلب فرمائیے۔ میرا قول ایک مرد کا قول ہے۔ وہ میرا ایمان ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس میں فرق نہیں لا سکتی۔

عالیہ : لفّاظی! محض لفّاظی!

سراج الدّولہ : (چونک کر مڑتے ہوئے) کون ہے؟

غلام حسین : (آگے بڑھ کر تعظیم بجالاتے ہوئے) میں ہوں، سرکار کا خادم۔

سراج الدّولہ : تم احمق یہاں کیا کر رہے ہو؟ اور یہ تمھارے ساتھ کون ہے؟

غلام حسین : ایک چھوکری ہے، حضور...... مگر ایک شعلۂ آتشیں ہے، سرکار ذرا ہوشیار رہیں!

سراج الدّولہ : (عالیہ کی طرف بڑھ کر اُس کو غور سے دیکھتے ہوئے) کون ہو تم؟

عالیہ : اعلیٰ حضرت کی ایک ادنیٰ ناچیز کنیز۔

سراج الدّولہ : (اُس کی خوب صورتی سے متاثر ہو کر نرم لہجے میں)
مگر تمھارا نام کیا ہے؟

عالیہ : کنیز کو عالیہ کہتے ہیں۔

سراج الدّولہ : (مسکرا کر) تم میں کیا خاص بات ہے جو اتنا بلند مرتبہ نام پایا؟

غلام حسین : عورت کی بلندیوں اور گہرائیوں کو کس نے پایا ہے؟ یہ بات تو حضور کے ضمیر منیر پر اب تک روشن ہو گی ہو گئی کیوں کہ شاید ہی کسی نے اتنی کم عمر میں اتنی عورتیں برتی ہوں اور اُن کا اتنا بے دردانہ تصرّف کیا ہو۔

سراج الدّولہ : جسے تم احمق بے دردانہ تصرّف کہتے ہو اُس کے لئے عورت تو اپنی جان تک قربان کر دے!

(عالیہ ہلکے سے ہنس پڑتی ہے)

کتنی شیریں ہے اس کی ہنسی! جیسے چاندی کے گھونگھرو بج رہے ہوں۔

(عالیہ مسکرا کر تسلیم کرتی ہے)

عالیہ : گستاخی معاف ہو، حضور سلطان عالم کا دل لُبھانے کے لئے خود اُن کے محل میں ہنستی ہوئی کنیزوں کی کیا کمی ہے۔

سراج الدّولہ: وہ تو ہمارا دل تب ہی لبھانے کی کوشش کرتی ہیں جب
اُن کا اپنا کوئی مطلب ہو۔ ہمارے درباریوں کی طرح وہ بھی اپنی غرض
میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ اُن کا مطلب پورا ہوا اور اُن کی نظریں بدلیں۔

عالیہ: (ہنس کر) شاید سرکار کی نگاہوں کے سامنے اُن کی نظریں
ٹِک نہیں سکتیں!

سراج الدّولہ: جب تک تمھاری یہ میٹھی ہنسی نہیں سُنی تھی تو میرا خیال تھا
کہ مرشد آباد میں، مرشد آباد کیا سارے ملک میں زندگی کی تلخی کو کوئی
ہنس کر دُور کرنا جانتا ہی نہیں۔ ایک سرے سے دوسرے سرے
تک سوائے آہ و بکا کے اور کوئی آواز ہی نہیں۔ میرا دم گھُٹا جاتا
ہے۔ اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔

عالیہ: سرکار! گستاخی معاف ہو، مگر ملک میں جو یہ آہ و فغاں ہے کیا
بے سبب ہے؟

سراج الدّولہ: کیا مطلب؟ کیا ہم اپنی رعایا پر ظلم کرتے ہیں؟ اُسی رعایا پر
جس کی خاطر ہم نے ان طاقت ور فرنگی تاجروں کی دشمنی مول لے لی
ہے؟

غلام حسین: علیا حضرت!

(سراج الدّولہ کی بیوی، لطف النّساء، داخل ہوتی ہے۔

اُس کی عمر تقریباً اٹھارہ سال کی ہے۔ اُس کے ساتھ دو کنیزیں
شمع لئے ہوئے ہیں اور وہ دروازے پر رُک جاتی ہیں۔
سراج الدولہ لطف النّساء کی طرف بڑھتا ہے اور غلام حسین اور
عالیہ آڑ میں ہو جاتے ہیں)

سراج الدّولہ: تم یہاں اس وقت کیسے آئیں؟

لطف النّساء: میں نے اعلیٰ حضرت کو اپنی خواب گاہ سے پریشان نکلتے دیکھا
اور مجھے پھر اس خیال نے پریشان کیا کہ میں اپنے سرتاج کو خوش
نہیں رکھ پاتی۔ سرکار کی تسکین وراحت کے لئے میں نے دعائیں
مانگیں مگر سرکار واپس تشریف نہیں لائے اور مجھے اندیشہ ہوا.......

سراج الدّولہ: کہ پھر واپس نہیں آئیں گے؟

لطف النّساء: سرکار!

(لطف النّساء اپنے سر کو سراج الدّولہ کے سر پر جھکا دیتی ہے اور
سراج الدّولہ اُس کے سر کو پیار سے سہلاتا ہے)

سراج الدّولہ: جانِ جاں! ایک روز وہ بھی آئے گا کہ یہ نواب اپنے محل کو
ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دے گا۔ محل ہی نہیں بلکہ اپنی جان سے
زیادہ عزیز بیگم کو بھی۔ اُس تخت وتاج کو چھوڑ کر جس سے وہ اس وقت
حریصانہ چمٹا ہوا ہے ایسے سفر پر چلا جائے گا جس سے کوئی انسان

واپس نہیں آتا۔

لطف النّساء: نہیں، نہیں، سرکار! ایسی فالِ بد دہنِ مبارک سے نہ نکالئے۔
خدا مجھے اُس دن کو نہ رکھے کہ ایسی بدشگونی کی بات سنوں۔

سراج الدّولہ: مگر یہ بات تو ایک دن ہونا ہی ہے۔ یہ ٹل نہیں سکتی۔
آنسو اُسے دھو نہیں سکتے، تلوار اُسے کاٹ نہیں سکتی، دنیا کی
ساری دولت اُس کا سودا نہیں کر سکتی۔ جو اس دنیا میں آیا ہے اسے
جانا بھی ہے۔

لطف النّساء: بس! بس! میں حضور کے ہاتھ جوڑتی ہوں، ایسی باتیں نہ کیجئے۔
میرا دل دہلا جاتا ہے۔ چلئے، واپس تشریف لے چلئے۔

سراج الدّولہ: تمھیں معلوم ہے کہ میں یہاں کیوں آیا تھا؟

لطف النّساء: جی نہیں۔

سراج الدّولہ: نہ خود مجھے پتا ہے۔ مگر کوئی نامعلوم قوّت مجھے، گویا آہنی
شکنجے میں جکڑے ہوئے، ہر شب یہاں کشاں کشاں لے آتی ہے
اور مجھ سے وہ قول دہرواتی ہے جو میں نے نانا حضور کو دیا تھا۔
حیرت کی بات یہ ہے کہ ہر بار جب میں قول زبان سے ادا کرتا ہوں
تو گویا کوئی شخص طنز آمیز ہنسی سے میرا مضحکہ اُڑاتا ہے۔

لطف النّساء: دشمنوں کا مزاج ناساز ہے۔

سراج الدّولہ : ہر شب یہی ہوتا ہے ۔ ہر شب وہی نا قابلِ انکار حکم اور تعمیلِ حکم پر وہی حقارت آمیز ہنسی ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا ۔

عالیہ : جو قول بے عمل ہو اُس سے سرکار جنّت مقام کی روح کو کیا تسکین ہو سکتی ہے !

(لطف النّساء چونک پڑتی ہے اور یہ دیکھ کر گھبرا جاتی ہے کہ غیر لوگ موجود ہیں)

لطف النّساء : یہ کون ہیں ؟

سراج الدّولہ : غلام حسین ہے اور اُس کے ساتھ کوئی لڑکی ہے ۔

لطف النّساء : کون ہے وہ ؟ شمع ادھر لاؤ ۔

(ایک شمع بردار کنیز اور لطف النّساء ایک ساتھ عالیہ کی طرف بڑھتی ہیں)

یہ تو کوئی رقّاصہ معلوم ہوتی ہے ۔

(غلام حسین آگے بڑھتا ہے اور جھک کر لطف النّساء کو آداب بجا لاتا ہے)

غلام حسین : حضور ، یہ یہاں ایک ضروری سرکاری کام سے آئی ہے ۔

لطف النّساء : حکومت کے معاملات مسخروں اور رقّاصاؤں کے سپرد کب سے ہونے لگے ؟

عالیہ : شاید سرکار یہی بہتر خیال فرماتی ہیں کہ مسخرے اور رقّاصائیں اپنے ہی پیشوں سے لگے رہیں ۔

لطف النّساء : بڑی تیز طرار ہے۔ کیا سرکار کی یہ کوئی نئی منظور نظر ہے؟
سراج الدّولہ : میں تو اس سے واقف بھی نہیں ہوں۔ غلام حسین اسے بغیر ہماری اجازت یہاں لے آیا ہے۔
لطف النّساء : پھر مجھے اجازت دیجیے۔ میں مخل ہوئی۔
سراج الدّولہ : نہیں، نہیں! مگر جو اسے کہنا ہے اُس میں شاید تمھیں دل چسپی نہ ہو۔ چلو، تمھیں پہنچا آؤں...... غلام حسین۔!
غلام حسین : جی، سرکار!
سراج الدّولہ : اس کو یہیں روکو۔ مابدولت ابھی آتے ہیں۔
(سراج الدّولہ لطف النّساء کو لے کر باہر جاتا ہے۔ شمع بردار کنیزیں ساتھ جاتی ہیں۔ غلام حسین اور عالیہ ان کی طرف دیکھتے رہتے ہیں۔ اور جب وہ چلے جاتے ہیں تو عالیہ غلام حسین کی طرف مڑتی ہے)
عالیہ : یہی وہ نواب ہیں جن کے تم اتنے گرویدہ ہو کہ انھیں چھوڑ نہیں سکتے؟
غلام حسین : کسی نواب کی کشش نہیں ہے جو مجھے یہاں روکے ہوئے ہے۔
عالیہ : تو پھر کیا ہے؟
غلام حسین : اپنے ملک کی محبّت۔
عالیہ : دربار ملک نہیں ہے۔

غلام حسین : ٹھیک کہتی ہو۔ مگر سنو، میں سارے ملک کی خاک چھان چکا ہوں۔ مجھے بہت سے لوگ ملے، متقی اور پرہیز گار، فراخ دل اور مخیر، بہادر اور شجاع، مگر وطن پرست ایک نہ ملا۔

عالیہ : افسوس تو اسی کا ہے۔

غلام حسین : اسی افسوس ناک حقیقت نے مجھے بے چین کر دیا اور مجھے دربدر پھرایا، حتیٰ کہ میں مرشد آباد پہنچا۔ مگر نہ میرے پاس دولت تھی کہ نواب صاحب کے مقربوں کی مٹھی گرم کر کے کوئی منصب حاصل کر لیتا نہ ایسے اوصاف تھے کہ اس تکلف اور تصنع کی دنیا میں کسی کی نظر مجھ پر پڑتی۔ کیا کرتا، مسخرہ بن گیا۔ اس طرح دربار تک میری پہنچ ہو گئی اور اعلیٰ حضرت جو اس وقت کم سن تھے ان کی نظر عنایت ہو گئی علیا حضرت بھی مجھ پر لطف و کرم فرماتی ہیں اور تم نے دیکھا کہ وہ مجھ سے پردہ بھی نہیں فرماتیں۔

عالیہ : مگر جس چیز کی تلاش تھی وہ بھی ملی ؟

غلام حسین : نہیں، پوری طرح تو نہیں، مگر کم از کم ایک سہارا تو مل گیا۔

عالیہ : وہ کیا ؟

غلام حسین : اعلیٰ حضرت۔

عالیہ : تو یہ نواب صاحب تمہارے پروانۂ وطن بھی ہیں ؟

غلام حسین: شاید ابھی ہیں تو نہیں مگر حالات انھیں بنا دیں گے۔ تقدیر نے
ان کو اور ملک کو اُس آزمائش کے لیئے، جو سامنے آ گئی ہے یک جا
کر دیا ہے۔ اگر خدا نہ خواستہ سرکار دربار کی سازشوں کا شکار ہو گئے
تو پھر سمجھ لو کہ بنگال بھی بدیشیوں کا شکار ہو گیا۔ اگر میں نے اپنے کو
اعلیٰ حضرت کی نذر کر دیا ہے تو یقین جانو یہ بنگال کی خاطر ہے۔

عالیہ: مگر نواب صاحب کی خدمت کے لیئے یہ ضروری ہے کہ اپنی صورت
اتنی مضحکہ خیز بنا لو۔

غلام حسین: مسخروں کی صورت مضحکہ خیز ہوتی ہی ہے۔ مگر کیا تم بھی اتنا
نہیں سمجھتیں کہ میں نے یہ لباس کچھ سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے؟
میں بنگالیوں کو آئینہ دکھاتا ہوں کہ وہ اُس میں اپنی کریہہ شکل
دیکھ لیں۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنی اصلی حالت پر قائم رہیں
یا بدیسی تاجروں کی نقل کریں۔

عالیہ: اور پھر بھی تم کو ان لوگوں سے محبّت ہے؟

غلام حسین: تو اس میں تعجّب کی کیا بات ہے؟ میں اُن کا ہوں اور وہ
میرے ہیں۔ اسی لیئے تو اُن کو تباہی کے گڑھے میں گرتے اور
اپنی زندگی برباد کرتے دیکھ کر خون کے آنسو روتا ہوں۔

(غلام حسین اپنی بات میں اس قدر کھویا ہوا ہے کہ اُس کو پتا نہیں چلتا

کہ سراج الدولہ واپس آ گیا ہے۔ عالیہ اُسے ٹھیل کر خبردار کرتی ہے)

سراج الدّولہ: ہاں، گستاخ حسینہ، اب بتاؤ کہ تم ہو کون اور ہم سے کیا کہنا چاہتی ہو؟

عالیہ: میری اپنی سرگزشت قابلِ ذکر نہیں ہے مگر جو مجھے کہنا ہے وہ شاید حُضور کے لئے کچھ اہم ہو۔

سراج الدّولہ: (طنزیہ لہجے میں) سچ؟

عالیہ: کیا اعلیٰ حضرت تک قاسم بازار کے کارخانے کی کچھ خبر پہنچی ہے؟

سراج الدّولہ: تم کو اُس کارخانے سے کیوں دلچسپی ہے؟

عالیہ: میں وہاں بلائی گئی ہوں۔

سراج الدّولہ: کس لئے؟

عالیہ: واٹس صاحب نے دعوت کی ہے اور مہمانوں کی تفریح کے لئے میرا ناچ گانا ہوگا۔

سراج الدّولہ: مبارک ہو! کاش ہم بھی تمھارے رقص و سرود سے لطف اندوز ہو سکتے مگر ہم تو مدعو نہیں ہیں۔

عالیہ: میر جعفر علی خاں مدعو ہیں۔

سراج الدّولہ: کہتے ہیں کہ ہمارے سپہ سالارِ اعلیٰ بڑے تقدیر والے ہیں۔

عالیہ: راجا راج بلّبھ صاحب بھی مدعو ہیں۔

سراج الدّولہ: کیوں نہیں؟ اُن کے بغیر تو کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔
عالیہ: اور جگت سیٹھ بھی۔
سراج الدّولہ: اُس سونے کے تودے بغیر تو نقشہ جم ہی نہیں سکتا۔
عالیہ: امیر چند بابو بھی کلکتے سے آ رہے ہیں۔
سراج الدّولہ: وہ پنجابی جواری تو فرنگی تاجروں کو بہت ہی عزیز ہے۔
عالیہ: لا صاحب کو بھی مدعو کرنے کی بات چیت تھی۔
سراج الدّولہ: اچھا تو فرانسیسیوں سے بھی پینگ بڑھائے جا رہے ہیں!
واٹس نے کافی جال پھیلا رکھا ہے۔
عالیہ: اور، حضور، اگر قسمت نے اُن کا ساتھ دیا تو.....
سراج الدّولہ: تو ملک پر قبضہ کر لیں گے۔ یہی تو کہنا چاہتی ہو نا؟ تم
ہمیں اس قدر کم عقل سمجھتی ہو!
عالیہ: (احتجاج کے لہجے میں) سرکارِ عالی!
سراج الدّولہ: پھر تمھیں یہ خیال کیسے ہوا کہ ہم اُن باتوں سے بے خبر
ہیں جو ہمارے گرد و پیش ہو رہی ہیں؟
عالیہ: حضور، میرا خیال تھا کہ دشمنوں نے اپنا راز بالکل محفوظ رکھا ہے۔
سراج الدّولہ: نہ وہ رکھ سکتے تھے نہ تم رکھ سکتی ہو۔ بہتر یہی ہے کہ تم
اقبال کر لو کہ تم اُنھیں کی جاسوس ہو جنھیں دشمن کہہ رہی ہو۔

عالیہ : نہیں، نہیں، حضور! آپ کے قدموں کی قسم ایسا نہیں ہے۔

سراج الدّولہ : اُن کا خیال ہے کہ ہم اس آسانی سے ایک رنڈی کے جال میں پھنس جائیں گے۔

(عالیہ کے مُنہ سے ایک چیخ نکل جاتی ہے اور وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیتی ہے)

اور انھوں نے تجھے اسی کام پر لگایا ہے کہ تو یہ معلوم کرلے کہ ہمیں اُن کی سازش کا کہاں تک پتا ہے اور ہم اُس کے بارے میں کیا کرنے والے ہیں۔

عالیہ : جہاں پناہ! خدا کے واسطے مجھے جاسوس کہہ کر ذلیل نہ کیجیے۔ قسمت نے مجھے بہت بُرے دن دکھائے ہیں مگر یہ کلنگ کا ٹیکا میری بدنصیبی کی انتہا ہے۔

سراج الدّولہ : اُٹھ! اُٹھ اور یہ سوانگ ختم کر ورنہ ابھی تیری گرفتاری کا حکم دینا ہوگا۔

عالیہ : حضور میری گرفتاری کا حکم صادر فرمادیں مگر اس سے مجھے اتنا نقصان نہیں پہنچے گا جتنا سرکارِ عالی کو۔

سراج الدولہ : کیا مطلب ؟

عالیہ : کچھ لوگ وطن کے لئے اپنی جان بھی قربان کردینے کو تیار ہیں۔ وہ جاں باز محل مبارک کے باہر میرا انتظار کر رہے ہیں۔

سراج الدّولہ : اور تو بھی اُن جاں بازوں میں سے ہے ! اور کچھ ؟

غلام حسین : سرکار، یہ واقعہ ہے۔

(سراج الدّولہ غور سے اس کی طرف دیکھتا ہے اور پھر عالیہ کی طرف)

سراج الدّولہ : غلاموں اور جاسوسوں کی اکثر ملی بھگت ہوتی ہے تمھاری گواہی کی کوئی وقعت نہیں۔

عالیہ : میں ایسا گواہ پیش کر سکتی ہوں جس پر سرکار کو اعتماد کامل ہے مگر اُسے پیش کرنا میرے لئے موت سے بدتر ہے۔

سراج الدّولہ : اور اگر تمھارا بیان صحیح نہ ہوا تو موت تمھارے لئے یقینی ہے۔

عالیہ : میں موت سے نہیں ڈرتی مگر جاسوسی کا الزام میرے لئے موت کی سزا سے کہیں زیادہ سخت ہے اور حضور کا یہ بے بنیاد شبہ دور کرنے کے لئے مجھے یہ بتانا پڑتا ہے کہ موہن لال مجھ سے اچھی طرح واقف ہیں۔

سراج الدّولہ : کون ؟ راجا موہن لال ؟

عالیہ : جی، حضور۔

سراج الدّولہ : غلام حسین ! موہن لال سے کہو کہ فوراً حاضر ہوں۔

(غلام حسین تعظیم بجا لاکر چلا جاتا ہے)

موہن لال سے تمھاری جان پہچان کیسے ہوئی۔ وہ بازاری عورتوں سے
واسطہ نہیں رکھتا۔

(عالیہ خاموش رہتی ہے)

ہوں! سوچ رہی ہو کہ اب کیا جھوٹ گڑھو۔ تم ایسی عورتوں کی چالوں
کو ہم خوب سمجھتے ہیں۔ خیر، موہن لال خود آگیا۔

(موہن لال غلام حسین کے ساتھ داخل ہوتا ہے اور تعظیم بجالاتا ہے)

موہن لال! اس عورت کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟ سچ بولو اور
پوری بات بتاؤ۔

(موہن لال اور عالیہ سر جھکا لیتے ہیں مگر نیچی نظروں سے ایک
دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ غلام حسین موہن لال کے کان
میں چپکے سے بات کرتا ہے)

غلام حسین: وقت آگیا ہے کہ بتا دیں کہ ہم کون ہیں اور ہمارا کیا مقصد ہے۔

سراج الدّولہ: سرگوشی سے کام نہیں چلے گا، غلام حسین۔ بولو، موہن لال،
ورنہ اس کو ہم جلّاد کے حوالے کرتے ہیں۔

موہن لال: سرکارِ عالم، یہ میری بہن ہے۔

سراج الدّولہ: کیا؟ تمھاری بہن؟

موہن لال: جی حضور۔ ہم غریب اور یتیم تھے۔ دریا کے کنارے ایک چھوٹے

سے گاؤں میں رہتے تھے۔ پرتگالی سمندری اسے اُٹھا لے گئے۔ اپنی سوجھ بوجھ سے یہ اُن کے چنگل سے تو نکل آئی مگر ہماری برادری نے اسے پھر قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

سراج الدّولہ: اور اب یہ شرمناک زندگی بسر کر رہی ہے اور جاسوسی کا ذلیل پیشہ بھی اختیار کیے ہوئے ہے جب کہ تم اس کے بھائی ریاست کے ایک اعلیٰ عہدے پر سرفراز ہو!

موہن لال: جہاں پناہ، گستاخی معاف ہو۔ نہ تو یہ جاسوس ہے نہ اس کا کوئی عمل باعثِ شرم ہے۔ ہم بہتوں سے زیادہ یہ پاک طینت ہے اور بہت کم لوگوں کے دلوں میں وطن پرستی کا اتنا سچّا اور گہرا جذبہ ہو گا۔

سراج الدّولہ: تو پھر یہ اپنے بھائی کے ساتھ کیوں نہیں رہتی؟

موہن لال: حضور، میں نے عرض کیا کہ اس کے دل میں اُس دُنیا سے بیزاری ہے جس نے اس کے ساتھ اتنا بُرا برتاؤ کیا۔ اس کے اپنے بھائی میں بھی اتنی ہمّت نہ ہوئی کہ اس کا ساتھ دیتا۔ اسے اس بے درد اور جھوٹی دنیا سے نفرت ہو گئی ہے اور اب اس نے اپنے کو آزادیِ وطن کے لئے وقف کر دیا ہے۔ رقّاصہ کا پیشہ محض ایک آڑ ہے تاکہ وہ اپنے کو اُن قوم فروشوں سے محفوظ رکھ سکے جو ملک کی آزادی کو انگریز، فرانسیسی، ڈچ، پرتگالی کسی کے ہاتھ بیچنے کو

تیّار ہیں جو بھی اُن کی غدّاری کی قیمت دینے کو تیّار ہو۔

غلام حسین : سرکار، یہ ہیرا ہے ہیرا! ہم سب کے لیئے قابلِ فخر!

سراج الدّولہ : کچھ سمجھ میں نہیں آتا، کہ تم کو کیا کہوں، موہن لال، اُس نظام کو کیا کہوں جس کے تم پروردہ ہو، اُن لوگوں کو کیا کہوں جنھوں نے یہ نظام بنایا ہے۔ یا خدا! تو نے کیوں مجھے ایسے لوگوں پر حکمران بنایا ہے جو مجھ ہی جیسے کمزور اور گنہگار ہیں۔

غلام حسین : سرکار، گستاخی معاف ہو تو یہ حقیر غلام عرض کرے کہ حاکم اپنی رعایا کا عکس ہوتا ہے اور انسانی کمزوریوں سے نہ حاکم بَری ہے نہ رعایا۔ مگر انسان کی کمزوریاں اور غلطیاں بھی برف کے گالوں کی طرح آنے جانے والی ہوتی ہیں۔ جوں ہی حیات پھر بہار پر آتی ہے اور انسان کی روح میں پھر کھلنے اور پھولنے کی اُمنگ پیدا ہوتی ہے۔ انسانی کمزوریاں اور کوتاہیاں پگھل کر غائب ہو جاتی ہیں اور روح ایک اعلیٰ مقصد کی تب و تاب سے اس طرح جگمگا اٹھتی ہے جیسے سورج کی کرنوں سے چمن۔

سراج الدّولہ : ہمارے میاں مسخرے ماشاءاللہ پند و نصیحت بھی اچھی کر لیتے ہیں! مگر یہ فلسفہ اور شاعری کہاں سے سیکھی ؟

غلام حسین : حضور، میری خانہ بدوش زندگی سے مجھے یہ سبق ملا ہے کہ سردی

کی ٹھٹھر سے گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ بہار کا خیال کرنا چاہیے جس کا آنا یقینی ہے۔

(سراج الدولہ غلام حسین کی باتوں پر دھیان نہیں دے رہا ہے
بلکہ عالیہ کی طرف غور سے دیکھ رہا ہے اور پھر اُس کی طرف بڑھتا ہے)

سراج الدّولہ: ہم نے تمھارے ساتھ بہت بدسلوکی کی۔ اسے بھول جاؤ اور آج سے ہمیں اپنا دوست سمجھو۔

(عالیہ زمیں دوز ہو کر کورنش بجا لاتی ہے)

عالیہ: میں سرکار کی ایک ادنیٰ کنیز ہوں۔

سراج الدّولہ: اب تمھیں اجازت ہے۔ قاسم بازار کے کارخانے میں پھر ملیں گے۔

(سراج الدولہ مُڑ کر اُس دروازے کی طرف جاتا ہے جس سے
داخل ہوا تھا)

موہن لال: قاسم بازار، حضور؟ اُس میں خطرہ نہ ہوگا؟

سراج الدّولہ: اُن فرنگی بنیوں کی کہاوت ہے کہ "خطرے بغیر فائدہ کہاں" اور ہم اُن کو اُنھیں کی زبان میں جواب دیں گے۔

(سراج الدولہ باہر جاتا ہے اور باقی تینوں اُس کی تعظیم میں جھکے کھڑے رہتے ہیں)

پردہ

سین نمبر ۲

(دوسرے روز سراج الدولہ کی خالہ گھسیٹی بیگم کے محل "موتی جھیل" میں۔ عمارت عہدِ مغلیہ کی سی ہے مگر سازو سامان انگریزی ہے جس سے گھسیٹی بیگم کے انگریزوں سے تعلّقات کا پتا چلتا ہے۔ گھسیٹی بیگم ادھیڑ عمر کی خوش رو بیوہ ہے۔ ایک بھاری صوفے پر دراز حقّہ پی رہی ہے۔ اُس کا سارا جسم بیش قیمت زیورات سے جگمگا رہا ہے۔ پیچھے ایک خادمہ مورچھل ہلا رہی ہے۔ سامنے ڈو اور خادمائیں ایک طرف کھڑی ہیں اور اپنے ہاتھوں پر گول سنہری تھالیاں لئے ہوئے ہیں جن میں پھول، گلاب پاش، عطر دان اور پان رکھے ہوئے ہیں۔ کمرے میں جا بجا اگر (عود) کا دُھواں ہو رہا ہے۔ ایک مسلم عورت داخل ہوتی ہے اور تعظیم بجا لاتی ہے)

گھسیٹی بیگم: وہ آ گئے؟

عورت: جی حضور۔ حکم عالی کے منتظر ہیں۔

گھسیٹی بیگم: انھیں اندر لے آؤ، اندر لے آؤ۔

(عورت باہر جاتی ہے اور فوراً راجا راج بلبھ کو اندر پہنچا کر چلی جاتی ہے۔ گھسیٹی بیگم اٹھ کھڑی ہوتی ہے)

آئیے، آئیے، راجا صاحب!

(دونوں ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں، گھسیٹی بیگم مسکرا کر اور راج بلبھ ادب سے)

تشریف رکھئے۔

راج بلبھ: بیگم صاحبہ تشریف فرمائیں۔

گھسیٹی بیگم: جیسی راجا صاحب کی خوشی۔

(راج بلبھ کی طرف دیکھ کر ساحرانہ انداز سے مسکراتی ہے اور بیٹھ جاتی ہے۔ راج بلبھ ایک دھوتی اور "پنجابی" پہنے ہوئے ہے۔ جس طرح بنگالی شرفا پہنتے تھے۔ شانوں پر ایک ریشمی شال ہے داڑھی منڈی ہوئی ہے مگر مونچھیں گھنی اور نوکیلی ہیں۔ پٹے دار بال شانوں تک لٹکے ہیں۔ سر پر ململ کی ٹوپی ہے اور پاؤں میں ناگرہ جوتیاں۔ گلے میں ایک لانبی سونے کی زنجیر ہے)

جب گھسیٹی بیگم بیٹھ جاتی ہے تو خادمائیں آگے بڑھ کر راج بلبھ کو تھالیاں پیش کرتی ہیں اور وہ عطر سے شوق کرتا ہے پھر خادمائیں چپکے سے باہر چلی جاتی ہیں)

آپ تو بالکل عید کا چاند ہو گئے۔ میں راہ دیکھتی رہتی ہوں۔

راج بلبھ : بیگم صاحبہ کو معلوم ہے کہ خادم قدم بوسی کے لئے بے چین رہتا ہے۔

گھسیٹی بیگم : تو پھر رکاوٹ کیا ہے ؟

راج بلبھ : نواب صاحب کے آدمی سائے کی طرح پیچھے لگے رہتے ہیں۔

گھسیٹی بیگم : اور راجا راج بلبھ صاحب جیسے ہوشیار اُن کتّوں سے پیچھا نہیں چھڑا پاتے ؟

راج بلبھ : کتّوں سے پیچھا چھڑانے میں اپنے کو کٹوا لینا ہوشیاری نہیں ہے۔

گھسیٹی بیگم : ہاں ! آج کل کے مرد عورت کی خوش نودی بلا کسی تکلیف یا دقّت کے مفت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ خیر، چھوڑیئے ان باتوں کو۔ میں نے سُنا ہے کہ آپ نے اپنا سارا مال اپنے بیٹے کرشن بلبھ کے ذریعے کلکتے پہنچا دیا ہے۔

راج بلبھ : بیگم صاحبہ کی اطلاع صحیح ہے۔

گھسیٹی بیگم : مگر آپ کو ایک لمحے کے لئے بھی یہ خیال نہ آیا کہ میرے پاس جو تھوڑا بہت ہے وہ بھی ہر وقت لُٹیروں کے رحم و کرم پر ہے۔

راج بلبھ: بیگم صاحبہ یقین فرمائیں کہ اسی فکر میں خادم کی نیند حرام ہو گئی ہے۔
مگر کیا کروں، کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آتی۔ اب تو مرشد آباد سے ایک
تنکا بھی لے جانا ناممکن ہو گیا ہے۔

گھسیٹی بیگم: سچ؟

راج بلبھ: یہ ایک ناگوار حقیقت ہے۔

گھسیٹی بیگم: تو اب آپ سراج کو ایک ناکارہ نواب نہیں سمجھتے؟

راج بلبھ: وہ اِک دم اتنا بدل گئے ہیں کہ ہم سب حیران ہیں۔ اُن کی
ہوشیاری اور چستی بہت تکلیف دِہ ہو گئی ہے۔

گھسیٹی بیگم: اور آپ کی سُستی سے میری جان عذاب میں آگئی ہے۔
(اکبارگی اُٹھ کھڑی ہوتی ہے اور ساتھ ہی راج بلبھ بھی کھڑا
ہو جاتا ہے)

نہیں، نہیں، راجا صاحب! کم از کم اپنے گھر میں تو مجھے آزادی سے چلنے
پھرنے دیجیے۔

(راج بلبھ لاچار بیٹھ جاتا ہے۔ گھسیٹی بیگم چند قدم اِدھر اُدھر
چل کر اُس کے سامنے آ کر رُک جاتی ہے)

اچھا، یہ تو بتائیے تخت پر جو میرا حق ہے اُس کی بابت فرنگیوں نے کیا
طے کیا ہے؟

راج بلبھ : ابھی طے تو کچھ نہیں ہوا ہے۔ کئی تجویزیں زیرِ غور ہیں۔ مگر بیگم صاحبہ
یقین فرمائیں کہ یہ خادم ہر وقت اور ہر حال میں آپ کے مفاد کو پیشِ نظر
رکھے گا اور مقدم سمجھے گا۔

گھسیٹی بیگم : (راج بلبھ کے پاس بیٹھتی ہوئی) ہاں، ہاں، مجھے اس کا یقین ہے۔
آپ ہی میرے ایک مخلص اور غم گسار ہیں اور مجھے آپ پر پورا بھروسا
ہے۔ سراج مجھے مٹانے پر تُلا ہے اور میں تنہا اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔
بغیر آپ کی مدد کے میں بالکل بے بس ہوں۔

راج بلبھ : کل رات کو ہم قاسم بازار کے کارخانے میں جمع ہوں گے اور
کوئی تدبیر نکالیں گے۔ اگر کوئی سمجھوتا ہو گیا تو پھر نواب صاحب
چین سے بیٹھنے نہ پائیں گے۔

گھسیٹی بیگم : بس ؟

(اکبارگی کھڑی ہو جاتی ہے)

راجا صاحب، کسی کے چین سے یا بے چین بیٹھنے کا سوال نہیں ہے۔
اُس ظالم کو تخت سے اُتارنا ہے۔ خواہ میرا حق مانا جائے یا نہ مانا جائے،
اُس کو تو کسی طرح اُتارنا ہی ہے۔

راج بلبھ : بیگم صاحبہ، آپ کا خلوص ہم سب کے لئے مشعلِ ہدایت ہے۔
اجازت ہو تو واٹس صاحب اور دوسرے ساتھیوں کو بھی آپ کے

اعلیٰ جذبات سے مطلع کردوں۔ ہمارے سب دوست آپ کے بے حد
ممنون ہوں گے۔

گھسیٹی بیگم: دوست! کیسے خودغرض لوگوں سے سابقہ پڑا ہے۔ کاش مجھے
اس کا یقین ہوسکتا کہ جعفر علی خاں، جگت سیٹھ، امیر چند اور وہ آپ کے
فرنگی دوست واٹس صاحب یہ لوگ کُل کے مفاد کو اپنے ذاتی مفاد پر
قربان نہیں کردیں گے۔

(مسلح عورت داخل ہوتی ہے)

کیا ہے؟

عورت: ایک فوجی دستہ آیا ہے۔ سپاہی اندر آنا چاہتے ہیں۔

گھسیٹی بیگم: منع کردو کہ پھاٹک نہ کھولا جائے۔

(عورت چلی جاتی ہے)

اس کے کیا معنی ہیں؟

راج بلبھ: لگتا ہے کہ دشمن برسرِ پیکار ہے۔

گھسیٹی بیگم: آپ جائیے، اور میرے سپاہیوں کی مدد سے اُن حرام زادوں
کو بھگا دیجیے۔

راج بلبھ: یہ تو بغاوت ہوگی، بیگم صاحبہ۔

گھسیٹی بیگم: (کچھ سوچ کر) ہاں، آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ جلد بازی نہیں

کرنا چاہیۓ۔ مگر بتایۓ کہ اب میں کیا کروں؟

راج بلبھ: اس پر غور کرنا ہے مگر فی الحال مجھے یہاں سے چلا جانا چاہیۓ۔ کوئی مجھے دیکھ نہ لے۔

گھسیٹی بیگم: آپ میرے مہمان ہیں اور کسی کی مجال نہیں کہ آپ کا بال بیکا کر سکے۔

(مسلح عورت داخل ہوتی ہے)

اب کیا ہے؟

عورت: خود علیا حضرت تشریف لائی ہیں۔

گھسیٹی بیگم: یہ کیسے معلوم؟

عورت: اُن کی فینس اندر آگئی ہے۔

گھسیٹی بیگم: اُن نمک حرام سنتریوں نے اُسے اندر داخل کیوں ہونے دیا؟

عورت: علیا حضرت کی خدمت میں گستاخی کیسے کر سکتے تھے۔

گھسیٹی بیگم: دور ہو یہاں سے!

(عورت چلی جاتی ہے)

میری حفاظت بھی کیسے نکمے بُزدلوں کے ہاتھ میں ہے۔

راج بلبھ: شاید علیا حضرت کی تشریف آوری کا کوئی خاص مقصد نہ ہو اور حالات اتنے خراب نہ ہوں جیسا کہ مجھے اندیشہ ہوا۔ مگر میری موجودگی کا

اُنھیں علم نہیں ہونا چاہیئے۔

(گھسیٹی بیگم اُس خادمہ سے مخاطب ہوتی ہے جو مورچھل جھل رہی ہے،

گھسیٹی بیگم: راجا صاحب کو میرے کمرے میں لے جاؤ۔ جلدی کرو، کوئی آرہا ہے۔

(خادمہ اور راج بلبھ چلے جاتے ہیں اور مسلّح عورت داخل ہوتی ہے)

عورت: علیا حضرت بادشاہ بیگم صاحبہ!

گھسیٹی بیگم: لونڈی بچّی، تجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ اس محل میں صرف ایک ہی بیگم ہیں۔ دور ہو یہاں سے، نمک حرام!

(عورت چلی جاتی ہے۔ لطف النّساء بھولی مسکراہٹ کے ساتھ داخل ہوتی ہے اور جھک کر گھسیٹی بیگم کو تسلیم بجالاتی ہے۔ گھسیٹی بیگم اُسے گھورتے ہوئے سر کو ذرا جنبش دے دیتی ہے)

لطف النّساء: اُس بے وقوف کنیز کو یہ بھی پتا نہیں کہ آنے والی کوئی بیگم نہیں بلکہ محض ایک ناچیز بھانجی جو اپنی خالہ جان کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوئی ہے۔

چاروں طرف دیکھ کر بچّوں کی طرح خوش ہوتی ہے،

کیسا نفیس سازوسامان ہے!

گھسیٹی بیگم: فرنگی تاجروں کا نذر دیا ہوا ہے۔

لطف النسّاء: کتنے خوب صورت پردے ہیں۔

گھسیٹی بیگم: کچھ تمھیں بھجوادوں؟

لطف النسّاء: یہ تو آپ کی عنایت ہے، خالہ جان، مگر اعلیٰ حضرت کو معلوم ہوگا تو بہت ناخوش ہوں گے۔

گھسیٹی بیگم: اپنی خالہ سے کچھ معمولی تحفے ملنے پر ناخوش ہوں گے!

لطف النسّاء: جی نہیں، مگر وہ غیر ملکی چیزوں سے سخت نفرت کرتے ہیں۔

گھسیٹی بیگم: اتنی ہی جتنی مجھ سے۔

لطف النسّاء: توبہ، توبہ! یہ آپ کیا فرماتی ہیں؟

گھسیٹی بیگم: تم خوب جانتی ہو کہ اُس کو مجھ سے کوئی محبت نہیں ہے۔

لطف النسّاء: یہ خیال آپ کا ہرگز صحیح نہیں ہے، خالہ جان۔ اس وقت بھی سرکار نے آپ کو یاد فرمایا ہے اور خاص طور سے مجھے آپ کو لینے بھیجا ہے۔

گھسیٹی بیگم: کیا، کیا کہا تم نے؟

لطف النسّاء: (گھبرا کر) کیوں، کیا میری زبان سے کوئی نازیبا کلمہ نکل گیا؟

گھسیٹی بیگم: پھر کہو، تم نے کیا کہا؟

لطف النسّاء: اعلیٰ حضرت نے آپ کو یاد فرمایا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ عرض کروں۔

گھسیٹی بیگم : جانتی ہو کہ اس کے کیا معنی ہیں ؟

لطف النساء : میں سمجھی نہیں، خالہ جان۔

گھسیٹی بیگم : میں تمھاری خالہ نہیں ہوں۔ خالہ تو تمھارے شوہر کی ہوں جو مجھے قید کرنا چاہتا ہے، میرا جلاد بننے پر تُلا ہے۔

(مُڑ کر ایک کٹہرے میں بند شیرنی کی طرح اِدھر اُدھر بے تاب چکر لگاتی ہے۔ جب طیش کچھ کم ہوتا ہے تو پھر لطف النساء کی طرف آتی ہے)

تم نے شہنشاہ عالم گیر کا نام سُنا ہے ؟

لطف النساء : کس نے نہیں سُنا ہے، خالہ جان۔

گھسیٹی بیگم : تخت نشین ہونے سے قبل اُنھوں نے اپنے والد کو قید میں ڈالا۔ جب حکومت ہاتھ آگئی تو اپنے دو بھائیوں کو قتل کرادیا۔ مگر انھوں نے کبھی کسی ایسے کام میں اپنی بیگم کو نہیں شریک کیا۔ تمام ذمّے داری ہمیشہ خود اپنے سر لی۔ مگر تمھارا بزدل شوہر ہے کہ اپنے شرم ناک کرتوتوں کے لئے اپنی بیوی کی آڑ لیتا ہے۔ اُسے اس کی سزا جہنّم میں ملے گی۔ مگر تم سے یہ کیسے ہوا کہ ایک لاچار دُکھیا بیوہ کو مٹانے کے لئے اُس کا آلۂ کار بننے پر راضی ہوگئیں ؟

لطف النساء : خالہ جان میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ مجھے آپ کے خلاف کسی سازش کی خبر نہیں اور اب بھی میرا خیال ہے کہ ایسی کوئی

سازش نہیں ہے۔

(مسلّح عورت داخل ہوتی ہے)

عورت: سپہ سالار رائے دُرلبھ صاحب دریافت فرماتے ہیں کہ آیا بیگم صاحبہ روانگی کے لئے تیّار ہو گئی ہیں۔

گھسیٹی بیگم: جا، اُن سے کہہ دے کہ یہ تیار ہیں۔ میں نہیں جا رہی ہوں۔

(مسلّح عورت چلی جاتی ہے)

تُف ہے تم پر! رائے دُرلبھ تمھارے ساتھ ہیں اور پھر بھی تم بھولی بنتی ہو۔

لطف النّسا: میں اب بھی کہتی ہوں کہ مجھے کچھ نہیں معلوم۔

(مسلّح عورت داخل ہوتی ہے)

گھسیٹی بیگم: اب کیا ہے؟ میں تو تیری منحوس صورت سے عاجز آگئی ہوں۔

عورت: سپہ سالار رائے دُرلبھ صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

گھسیٹی بیگم: میں کسی ایسے شخص کو باریابی نہیں بخشتی جو بغیر میری اجازت محل میں گھس آئے۔

(عورت چلی جاتی ہے مگر قبل اس کے کہ وہ باہر جائے رائے دُرلبھ داخل ہو کر دروازے پر کھڑا ہو جاتا ہے مگر اس طرح کہ گھسیٹی بیگم

اور لطف النساء کا سامنا نہیں ہوتا ہے۔ مسلّح عورت اُس کے
پاس کھڑی ہو جاتی ہے)

رائے دُرلبھ: گستاخی معاف ہو، بیگم صاحبہ۔ اعلیٰ حضرت نے آپ کو یاد فرمایا ہے اور بحیثیت آپ کے ادنیٰ خادم کے میں استدعا کرتا ہوں کہ آپ علیا حضرت کے ہمراہ محل مبارک تشریف لے چلیں۔

گھسیٹی بیگم: اور اگر مجھے یہ نہ منظور ہو؟ نواب صاحب نے اس بارے میں بھی تمھیں کوئی حکم دیا ہے؟

رائے دُرلبھ: جی حضور۔ مجھے حکم ہے کہ اگر آپ تشریف لے چلنے پر راضی نہ ہوں تو اس محل پر قبضہ کر لوں اور یہاں کے کُل اشخاص کو حراست میں لے لوں۔

گھسیٹی بیگم: (کچھ سوچ کر) اور اگر میں تمھاری درخواست منظور کر لوں؟

رائے دُرلبھ: یہ میری خوش نصیبی ہو گی کہ مجھے کوئی ایسی بات نہیں کرنا پڑے گی جو حضور کے لئے ناگوار خاطر ہو۔

گھسیٹی بیگم: میرے محل میں کسی کے ساتھ بھی کوئی مزاحمت نہیں کی جائے گی؟

رائے دُرلبھ: ہرگز نہیں، حضور۔

گھسیٹی بیگم: اچھا میں چلتی ہوں۔ آؤ، لطف النساء۔

(دروازے کی طرف جاتی ہے، اُس دروازے کی طرف نہیں
جہاں رائے دُرلبھ کھڑا ہے، پھر رُک جاتی ہے)
خبردار رائے دُرلبھ! یاد رکھنا کہ میری واپسی تک محل اور یہاں کے
تمام اشخاص کی سلامتی کے تم ذمّے دار ہو۔
(لطف النسّاء کے ساتھ چلی جاتی ہے۔ رائے دُرلبھ بھی مسلّح عورت
کے ساتھ چلا جاتا ہے)

(پردہ)

سین نمبر ۳

(قاسم بازار کے کارخانے میں ایک وسیع کمرہ۔

نام کو کارخانہ ہے مگر دراصل ایسٹ انڈیا کمپنی کا دفتر اور سفارت خانہ ہے۔ کارخانے کی عمارت اُس زمانے کے انگریزی مکانوں کے طرز کی ہے اور سازوسامان سے بھی رہنے والوں کی قومیت کا پتا چلتا ہے۔

بظاہر دعوت کے سامان ہیں۔ کچھ لوگ بیٹھے ہیں، کچھ اِدھراُدھر ٹہل رہے ہیں۔ چند ہندوستانی خادمائیں مہمانوں کو پان، عطر، گلاب اور پھول پیش کر رہی ہیں۔ ایک کونے میں چند مرد بیٹھے ہیں۔ جو بظاہر صاحبِ اقتدار ہیں۔ کیوں کہ اور لوگ ادب سے کچھ دُور رہتے ہیں۔ یہ لوگ ہیں۔ کارخانے کا افسرِ اعلیٰ،

واٹس، کمپنی کا ایک انگریز ڈاکٹر، فورتھ، کارخانے کا پادری ،
ریورنڈ اسٹرانگ، نواب ناظم کا سپہ سالار اعلیٰ، میر جعفر علی خاں،
مرشد آباد کا سب سے بڑا ساہوکار، جگت سیٹھ، ڈھاکے کا ناظم،
راجا راج بلبھ اور پنجاب کا ایک چلتا ہوا قسمت آزما، امیر چند)

واٹس : حضرات، ملک کی سیاسی حالت بہت ہی نازک ہو گئی ہے اور
روز بروز ابتر ہوتی جا رہی ہے۔ صرف ہماری کمپنی ہی کے لئے الجھنیں
نہیں بڑھتی جا رہی ہیں بلکہ سارے ملک اور رعایا کے لئے خطرہ پیدا
ہو گیا ہے۔ کسی وقت بھی موجودہ حکومت ختم ہو سکتی ہے اور ملک میں
طوائف الملوکی پھیل جانے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے ہمارا فرض ہے
کہ سب مل کر کوئی تدبیر نکالیں کہ یہ ملک بربادی سے بچ جائے۔
یہ کام صرف آپ ہی حضرات انجام دے سکتے ہیں اور مجھے کامل اعتماد
ہے کہ آپ اپنی ذمے داری کو پورے طور سے انجام دیں گے۔

اسٹرانگ : افسوس ہے اُن پر جو ظلم کا شکار ہیں اور ظلم کو رد کرنے کا انھیں
کوئی راستہ نہیں دکھائی دیتا۔

فورتھ : کیوں، پادری صاحب، یہ الفاظ تو انجیل کے ہیں نا؟

اسٹرانگ : ہاں، انجیل مقدّس ہی کے الفاظ ہیں۔

واٹس : ڈاکٹر فورتھ، ہماری تلواروں کی پہنچ تو دشمنوں تک ہے مگر گوں

کے دلوں کو اپنانے کے لئے ہمیں خدا کے کلام کی ضرورت ہے۔
اچھّا، سپہ سالار میر جعفر علی خاں صاحب، اب آپ اپنے زرّیں مشورے
سے ہمیں مستفیذ فرمائیں۔

میر جعفر: واٹش صاحب، مجھے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ آپ کی دوستی پر فخر
کرتا ہوں اور آپ کی ہر خدمت کے لئے بخوشی تیار ہوں۔

امیر چند: حضور سپہ سالار عالی وقار جتنے قوی اور جری ہیں اتنے ہی بندہ پرور
اور فراخ دل بھی۔ اسی لئے ان کے دوست ہر مشکل کے وقت ان کا
سہارا ڈھونڈتے ہیں۔ کیسے شرم کی بات ہے کہ ایسے اعلیٰ صفات
کے انسان کی نواب علی وردی خاں مرحوم نے قدر نہیں کی بلکہ اپنے
لاڈلے نواسے کے بھڑکانے پر اُن کی ہتک عزّت کی۔ ہمارے
سپہ سالار ہی ایسے بلند مرتبہ اور صابر انسان تھے کہ زبان پر اُف
تک نہ لائے۔

میر جعفر: اب تک یاد کرتا ہوں تو خون کھولتا ہے۔

(عالیہ ادھر اُدھر گھوم رہی ہے مگر اس طور سے کہ ان لوگوں کی
باتیں سُن سکے۔ واٹش کے پاس آتی ہے)

عالیہ: گانا سُنئے گا؟

واٹش: بڈّھے کھوسٹ پر اپنی میٹھی آواز ضایع نہ کرو۔ اُن نوجوانوں کو

جاکر خوش کرو۔

(عالیہ مُنہ بنا کر اٹھلاتی ہوئی چلی جاتی ہے)

راج بلبھ : مگر، والٹس صاحب، آخر آپ لوگ اعلیٰ حضرت کی مخالفت کر کے اتنا بڑا خطرہ کیوں مول لے رہے ہیں؟

والٹس : راجا صاحب، آپ سب کی طرح ہم بھی تو اُن کے ظلم سے پریشان ہیں۔ آئے دن ہمارے گوداموں اور مال سے لدی کشتیوں پر ناجائز قبضہ کرتے رہتے ہیں۔

جگت سیٹھ : شاید راجا صاحب کو یاد ہو کہ جب وہ اعلیٰ حضرت کا ساتھ دے رہے تھے تو وہ بھی یہ سب کرتے تھے۔

والٹس : نہیں، نہیں، دوستوں کو آپس میں اتنا سخت گیر نہ ہونا چاہیئے۔ راجا صاحب جو کچھ کرتے تھے اپنی مرضی سے تھوڑی ہی کرتے تھے۔ نواب صاحب سے مجبور تھے، جس طرح ہمارے افسروں کو ناچار اُن کی بدعنوانیوں اور زیادتیوں کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے۔

راج بلبھ : اُن کا فرمانا ہے کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں رعایا کے حقوق کے تحفظ کے لئے کرتے ہیں۔

والٹس : خود شہنشاہ نے ہم کو آزادانہ تجارت کا فرمان عطا فرمایا تھا۔ نواب صاحب کو دخل انداز ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔

امیر چند : نواب صاحب ابھی بچے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ انگریز کمپنی کی تجارت سے ہمارے ملک کی دولت میں کتنا اضافہ ہو رہا ہے۔

والٹس : ہم کچا مال خریدتے ہیں اور نقد دام ادا کرتے ہیں۔ اسی سے لوگ خوش حال ہیں اور نواب صاحب کے ناجائز مطالبے بھی پورے کر سکتے ہیں۔ اگر ہم خریداری بند کر دیں تو نواب صاحب کے ٹھاٹھ بھی بند ہو جائیں۔

فورتھ : نواب صاحب بظاہر اپنے ساتھ ملک کو بھی تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

والٹس : آپ ہندوستانی دوستوں پر یہ بالکل واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم انگریز تاجروں کا قطعی یہ منشا نہیں ہے کہ یہاں کوئی گڑبڑ ہو۔ سوائے تجارت کے ہمارا کوئی مقصد نہیں ہے اور ہم صرف اتنا چاہتے ہیں کہ ہماری تجارت میں کوئی روک ٹوک نہ ہو۔ مگر نواب صاحب ہمارے لئے مشکلیں کھڑی کرتے جاتے ہیں اور ساتھ ہی ہمارے مخالف دوسرے ملک کے تاجروں کو شہ دیتے ہیں۔ یہ ہم نہیں برداشت کر سکتے۔

راج بلبھ : مگر آپ انھیں روک کیسے سکتے ہیں؟

والٹس : آپ حضرات کی مدد کر کے کہ آپ ایک اچھی حکومت قائم کر سکیں۔

راج بلبھ : مگر ایسا ہوا تو تخت پر کون ہوگا؟

واٹس : یہ بات تو آپ ہی حضرات کے طے کرنے کی ہے اور مجھے امید ہے
کہ اس بارے میں آپ متفق ہو کر کوئی فیصلہ کر لیں گے۔

(عالیہ جو کچھ دور سے یہ باتیں سن رہی تھی آڑ سے نکل کر اُن کے
پاس نازو ادا سے جاتی ہے۔ اس کو دیکھ کر واٹس چیں بہ جبیں ہوتا ہے)
تم سے کہا نہیں تھا کہ جا کر میرے مہمانوں کی خاطر کرو؟

عالیہ : مالک کا حکم بجا تو لائی تھی مگر نہ جانے کون سی قوت مجھے بار بار آپ کے
پاس کھینچ لاتی ہے!

(سب لوگ واٹس کی طرف دیکھ کر ہنس پڑتے ہیں جس سے
وہ اور ناراض ہوتا ہے)

واٹس : بس ہو چکا مذاق۔ خبردار، اب یہاں پھر نہ آنا۔

(عالیہ مُنہ چڑا کر چلی جاتی ہے مگر اتنی دور نہیں کہ ان لوگوں
کی باتیں نہ سُن پائے)

راج بلبھ : واٹس صاحب، اجازت ہو تو ایک بات پوچھوں۔ ہمارے سردار،
سپہ سالارِ اعلیٰ نے آپ کو ہر امکانی مدد دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور
اس طرح اعلیٰ حضرت کی دشمنی مول لے لی ہے۔ اس کے صلے میں وہ
کیا توقع کر سکتے ہیں؟

واٹس : میں اس معاملے کی طرف کلکتے کی کمیٹی کو توجہ دلا چکا ہوں ۔

جگت سیٹھ : اور میرے لئے ؟

امیر چند : ارے سیٹھ صاحب ، آپ خود ہی سونے کی کان ہیں ۔ آپ کو اور کیا چاہئے ؟

جگت سیٹھ : (غصے میں) اور آپ بھی تو فقیر کنگال نہیں ہیں ۔ پھر بھی انگریز تاجروں کے پیچھے لگے رہتے ہیں ۔ جس طرح کتا ایک ہڈی کی لالچ میں اپنے مالک کے پیچھے پیچھے دُم ہلاتا پھرتا ہے ۔

واٹس : حضرات ! ہم کو آپس میں ایسی سخت کلامی نہیں کرنا چاہئے ، اس سے ہمارے میزبان کی توہین ہوتی ہے ۔

امیر چند : میں تو مذاق کر رہا تھا ۔ اگر سیٹھ راجا کوئی مطالبہ کرتے تو مجھے یقین ہے کہ وہ پورا کیا جاتا ۔

واٹس : کیوں نہیں ۔ ضرور پورا ہوتا ۔

راج بلبھ : تو پھر کیا یہ غریب کسی قابل نہیں ہے ؟

واٹس : راجا صاحب ، آپ کو تو ہم پہلے ہی دوستی کا ثبوت دے چکے ہیں ۔ اگر ہم آپ کے صاحب زادہ کشن بلبھ کو نواب صاحب کے عتاب سے کلکتے میں پناہ نہ دیتے تو اُن کا کیا حشر ہوتا ؟

راج بلبھ : بس میرے لئے اتنا ہی ؟

فورتھ : حضرات! میں طبیب ہوں اور بیماریوں کی تشخیص کرنا میرا کام ہے۔
آپ کو بہت سی شکایتیں ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ آپ خوش نہیں
ہیں، آپ سے جبراً ایسے کام کرائے جاتے ہیں جو آپ نہیں کرنا
چاہتے۔ آپ کو طاقت چاہیئے، عزّت چاہیئے، امن چاہیئے۔
معاف کیجیئے گا مگر میرے خیال میں آپ کی بیماری لاعلاج ہے کیونکہ
دراصل جس چیز کی آپ سب کو خواہش ہے وہ تختِ بنگال ہے۔

واٹس : اور دنیا کے تمام ملکوں کی طرح بنگال میں بھی صرف ایک ہی
تخت ہے۔ ڈاکٹر فورتھ نے ٹھیک کیا جو صاف بات کہہ دی۔ کیا
ہم سچّے دل سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم سب اپنے اعلیٰ مقصد پر متحد ہیں
اور ذاتی مفاد کے لیئے آپس میں جھگڑا نہیں کریں گے؟

میر جعفر : وقت آنے پر آپ کو معلوم ہو جائے گا۔

واٹس : میرے عزیز دوست، وہ وقت آگیا ہے۔

میر جعفر : تو بتایئے کہ آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔

اسٹرانگ : شیطان کا مقابلہ کرو، وہ بھاگ جائے گا۔ خدا سے نزدیک
ہو، وہ تم سے قریب تر ہو جائے گا۔ گنہگارو، اپنا دامن پاک
کرو۔ دو دلے انسانو، اپنے دلوں کو صاف کرو۔

راج بلبھ : یہ شیطان کون ہے جس کی طرف پادری صاحب کا اشارہ ہے؟

واٹس : آپ اُس سے واقف ہیں۔ آپ نے اپنی قسمت اُس کے ہاتھ میں دے رکھی ہے اور اب اُس کے ظلم و جبر سے آپ کراہ رہے ہیں۔

میر جعفر : آپ آخر تک مقابلہ کرنے پر تیّار ہیں ؟

واٹس : ہماری تاریخ اٹھاکر دیکھئے، ہمیشہ ہمارا یہی طریقہ رہا ہے۔ ہماری طرف سے طبل جنگ بج چکا ہے۔ نواب صاحب نے مطالبہ کیا کہ ہم اپنا کلکتے کا قلعہ منہدم کر دیں اور ہم نے مطلق پرواہ نہیں کی۔ انھوں نے کلکتے پر حملے کی دھمکی دی اور جواب میں ہم نے قلعے پر توپیں لگادیں۔ اب وہ شش و پنج میں ہیں کہ کیا کریں مگر ہمارے ارادے مضبوط ہیں۔ اب اگر اُن کی جانب سے کوئی اور اشتعال انگیز اقدام ہوا تو ہم ہتھیار سنبھالنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ مجھے تو اندیشہ ہے کہ اب جنگ ٹل نہیں سکتی اور اگر جنگ کی نوبت آئی تو اس ظلم کا خاتمہ ہو جائے گا اور مرشد آباد آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔

(میر جعفر جوش میں کھڑا ہو جاتا ہے)

میر جعفر : واٹس صاحب، میں قسم کھاتا ہوں کہ میں آپ کا ساتھ دوں گا۔

(واٹس گرمجوشی سے اُس سے مصافحہ کرتا ہے)

واٹس : آپ سب سے بہادر ہیں۔ میں آپ کی کامیابی کی دُعا کرتا ہوں۔

(راج بلبھ کی طرف مڑتا ہے)

راجا صاحب، آپ کیا فرماتے ہیں؟ اور گھسیٹی کے بارے میں کیا خیال
ہے؟ کیا وہ ہمارا ساتھ دیں گی؟

راج بلبھ: فی الحال تو وہ بے چاری محل مبارک میں ایک قیدی کی زندگی
بسر کر رہی ہیں۔

واٹس: جلد ہی ہم اُن کو رہا کر دیں گے۔

راج بلبھ: ہم سب ہی جابر اور ظالم کی شکست کے متمنّی ہیں۔

واٹس: اور سیٹھ راجا کا کیا ارادہ ہے؟

جگت سیٹھ: سیٹھوں نے کبھی اپنے دوستوں کا ساتھ نہیں چھوڑا۔

واٹس: حضرات! آپ کے اعلیٰ حوصلے اور ہمّت سے دل بڑھتا ہے۔
میں فوراً کلکتّے کی کمیٹی کو خبر کر دوں گا کہ آپ ہمارے ساتھ تعاون
کریں گے۔ امیر چند یہ خوش خبری لے جائیں گے اور پھر اگر
نواب صاحب نے کلکتّے پر چڑھائی کی جرأت کی تو ہمارے بہادر
سپاہی اس کے ضامن ہیں کہ وہ مرشد آباد واپس نہ آسکیں گے۔

(توپ کی آواز)

یہ آواز کیسی ہے؟

فورتھ: توپ گرج رہی ہے۔

جگت سیٹھ: آثار اچھے نہیں ہیں۔

(ایک سنتری داخل ہوتا ہے)

سنتری : نواب صاحب کی فوج کارخانے کو گھیر رہی ہے اور نواب صاحب بھی ساتھ ہیں۔

والٹس : کیا؟ خود نواب صاحب؟

اسٹرانگ : شیطان بے لگام ہو گیا۔

فورتھ : ہتھیار سنبھالو!

والٹس : ہتھیار سنبھالو! ہتھیار سنبھالو!

(طبل کی آواز)

راج بلبھ : والٹس صاحب!

(والٹس اُس کے قریب آجاتا ہے)

والٹس : کیا ہے راجا صاحب؟

راج بلبھ : اپنے حواس نہ کھو بیٹھیے۔ اگر اس وقت آپ نے ہتھیار اُٹھائے تو سمجھ لیجیے کہ یہاں کسی کی بھی جان نہیں بچے گی۔

والٹس : آپ درست فرماتے ہیں۔

راج بلبھ : طبل بند کیجیے اور اپنے سپاہیوں کو روکیے۔

والٹس : خبردار، جوانو! سب اپنی اپنی جگہ پر جاؤ اور بالکل خاموش رہو۔

راج بلبھ : نہیں، نہیں! ایسا معلوم ہونا چاہیے کہ جیسے کوئی خاص بات

نہیں ہے۔ ناچ کرائیے۔

واٹس : خواتین اور حضرات! آئیے اپنے مہمانوں کو انگریزی ناچ سے محظوظ کریں۔

(بینڈ بجتا ہے اور ناچ شروع ہونے والا ہے۔ اتنے میں ایک نقیب داخل ہوتا ہے اور دروازے پر کھڑا ہو جاتا ہے)

نقیب : اعلیٰ حضرت منصور الملک نواب سراج الدولہ بہادر ہیبت جنگ جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ باادب! باملاحظہ! ہوشیار!

(نقیب کی پکار ختم ہوتے ہی سراج الدولہ داخل ہوتا ہے۔ سپہ سالار رائے درلبھ ہمراہ ہے۔ سراج الدولہ غیض کی نظروں سے حاضرین کی طرف دیکھتا ہے سب تعظیم کو جھک جاتے ہیں)

سراج الدولہ : واٹس!

واٹس : سرکار عالی۔

(سراج الدولہ بھاری قدموں سے اُس کی طرف بڑھتا ہے)

سراج الدولہ : تم نے ڈریک کو کیا لکھا تھا؟

واٹس : اعلیٰ حضرت کا اشارہ میں سمجھا نہیں۔

سراج الدولہ : تمہاری جرأت حد سے تجاوز کر گئی ہے۔ تم کو مابدولت نے اپنے دربار میں بحیثیت کمپنی کے سفیر کے جگہ دی۔ تمہاری کمپنی کو

ہم نے تجارت کی اجازت بخشی گو یہ ہمارے مفاد کے منافی ہے۔ مگر تم نے ہماری بخشش اور ہمارے اعتماد سے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ تم نے اس کارخانے میں بغیر ہماری اجازت اسلحہ کا انبار جمع کر لیا ہے۔ اور اب ڈریک کی یہ جرأت ہو گئی کہ وہ حکم عدولی کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ کلکتے کا قلعہ منہدم نہیں کرے گا۔ کیا تم اس خیال میں ہو کہ ہم یہ برداشت کریں گے۔

والٹس : مجھے نہیں معلوم کہ گورنر ڈریک نے حضور عالی کو کیا لکھا۔

سراج الدولہ : کیا تم یہاں ایک سفیر کی حیثیت سے نہیں ہو؟ یہاں تمھاری حیثیت محض کمپنی کے نمائندے کی ہے اور کمپنی کی جانب سے جواب دہی کرنا تمھارا فرض ہے۔ یہ نہ ہوتا تو تم نے جو باغیانہ سازش پھیلا رکھی ہے اس کی سزا میں تم کو ہم کب کے یہاں سے نکال چکے ہوتے۔

(امیر چند کی طرف بڑھتا ہے)

امیر چند : اعلیٰ حضرت کا غلام!

سراج الدولہ : تمھارا اثر ہم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ خبردار ہو جاؤ۔

(میر جعفر کی طرف بڑھتا ہے)

سپہ سالار میر جعفر علی خاں۔

(میر جعفر تعظیم بجا لاتا ہے)

تم ہماری فوج کے سپہ سالارِ اعلیٰ ہو۔ پھر بھی واٹس کی دعوت پاکر اس قدر
از خود رفتہ ہو گئے کہ یہ بھی خیال نہ رہا کہ دارالخلافت سے باہر آنے سے
قبل مابدولت سے اجازت لو۔

میر جعفر: حضور، قاسم بازار کو میں دارالخلافت کے حدود سے باہر نہیں سمجھتا۔

سراج الدولہ: ہم تو سمجھتے ہیں۔ خیر، یہ تو تمہاری سمجھ میں آگیا ہوگا کہ ہم
واٹس کے ساتھیوں کی سرزنش کے لئے کلکتے جا رہے ہیں۔ تم
ہمارے ساتھ چلوگے۔

راج بلبھ: سرکار عالی!

(سراج الدولہ اُس کی طرف بڑھتا ہے)

ہم پہلے ہی دیکھ چکے تھے کہ تم بھی یہاں رونق افروز ہو! اس بدنصیب
ملک میں جو مذہبوں اور ذاتوں کے نفاق سے چور چور ہے تمہاری
کشادہ دلی سے فرحت ہوتی ہے۔ تم کبھی بھی اپنے مسلم اور عیسائی دوستوں
کو اپنی صحبت کا فیض بخشنے میں بُخل نہیں کرتے۔ اس سے ہمیں حوصلہ
ہوتا ہے کہ تم سے بھی کہیں کہ ہمارے ساتھ کلکتے چلو۔

راج بلبھ: غلام اعلیٰ حضرت کا حلقہ بگوش ہے۔

(سراج الدولہ جگت سیٹھ کی طرف بڑھتا ہے)

سراج الدّولہ : نہیں نہیں، سیٹھ، تمھیں ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ تم یہاں محض اُس روپے کا سود لینے کی غرض سے آئے ہو جو تم نے واٹس اور اُس کی کمپنی کو قرض دیا ہے! تم مرشد آباد میں ٹھہروگے۔ البتّہ یہ خیال رہے کہ واپسی پر ہم کو ایک خاصی رقم درکار ہوگی!

(تن جاتا ہے اور پھر واٹس کی طرف مڑتا ہے)

واٹس!

واٹس : حضور عالی۔

سراج الدّولہ : تم اور تمھارے ساتھی ہمارے ساتھ کلکتّے چلیں گے۔

واٹس : حضور.....

سراج الدّولہ : یہ ہمارا حکم ہے۔ صرف پادری یہاں عورتوں کی دیکھ بھال کے لئے ٹھیرے گا....... رائے دُرلبھ!

رائے دُرلبھ : سرکار۔

سراج الدّولہ : ایک دستے کا انتظام کرو جو راستے میں واٹس اور اُس کے ساتھیوں کی حفاظت کرے گا!

(عالیہ کے قریب جاتا ہے)

اور تم......

(عالیہ تعظیم کو جھک جاتی ہے)

.... اپنی سزا کے لئے تیار ہو جاؤ جس کی تم پورے طور سے

مستحق ہو۔

(عالیہ جھک جاتی ہے اور سراج الدولہ اپنے گلے سے موتیوں

کا ہار اُتار کر اُس کی طرف بڑھتا ہے)

لو، اسے قبول کرو۔

جگت سیٹھ : گستاخی معاف ہو سرکار۔ یہ ہار تو بے حد قیمتی ہے!

سراج الدولہ : اُس کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے جس کو یہ نذر دے رہا

ہوں۔

(ہار کو عالیہ کے پھیلے ہوئے ہاتھوں میں چھوڑ دیتا ہے)

(پردہ)

ایکٹ نمبر ۲

سین نمبر ۱

(چند مہینے بعد نواب ناظم کے دربار میں۔ سراج الدّولہ تخت پر بیٹھا ہے اور ایک خادمہ پیچھے کھڑی تاڑ کا پنکھا جھل رہی ہے۔ سنتری اپنی اپنی جگہ کھڑے ہیں اور اہلکار اپنے اپنے قلم دانوں کی چوکیوں پر بیٹھے ہیں۔ درباری دائیں بائیں صف باندھے کھڑے ہیں واٹس سراج الدّولہ کے سامنے ہاتھ باندھے سر جھکائے کھڑا ہے)

سراج الدّولہ: تم موجود تھے جب ما بدولت نے کلکتے کا قلعہ فتح کیا اور اُس شہر کو علی نگر کا مبارک نام بخشا۔ تمھارے جواں مرد ساتھی فلٹا بھاگ گئے اور اب تم یہاں عہد نامہ علی نگر کی رُو سے ضمانت کے طور پر نظر بند ہو۔ اگر تمھاری کمپنی کی جانب سے اُس عہد نامے کی خلاف ورزی ہو تو ہمیں اختیار ہے کہ تمھارے لیئے موت کا حکم صادر کر دیں۔ یہ تم

سمجھتے ہو؟

واٹس : جی، حضور۔ مگر میری دانست میں تو کمپنی یا میری طرف سے کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جو سرکار کے لئے ناگوار خاطر ہو۔

سراج الدولہ : راست بازی کا دعویٰ کرتے ہو! تمھاری جرأت تمھاری دغابازی سے کم نہیں ہے۔

(ایک اہلکار کی طرف مڑتا ہے)

منشی جی! انھیں وہ خط دکھلا دو جو فرنگی امیر البحر واٹسن نے ہماری خدمت میں بھیجا ہے۔

(منشی خط نکال کر واٹس کے پاس جاتا ہے اور اُس کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ واٹس اُس پر نظر ڈالتا ہے مگر پڑھنے کی کوئی کوشش نہیں کرتا)

آخری جزو پڑھو۔

(واٹس مجبورانہ انداز سے پڑھتا ہے)

واٹس : "میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ باقی فوج جواب تک آجانا چاہئے تھی چند روز میں کلکتے پہنچ جائے گی۔ چند ہی روز بعد میں مزید فوجی دستے اور جہاز منگواؤں گا۔ اور پھر آپ کے ملک میں ایسی آگ لگاؤں گا کہ گنگا کا سارا پانی اُسے نہ بجھا سکے گا۔"

سراج الدّولہ : خط واپس کر دو۔

(واٹس منشی کو خط واپس کر دیتا ہے۔ منشی اُسے لے کر اپنی جگہ پر واپس جاتا ہے)

اِس بے سبب گستاخی کے کیا معنی ہیں؟

واٹس : میں نہیں کہہ سکتا کہ امیر البحر صاحب نے اعلیٰ حضرت کو ایسا خط کیوں لکھا۔

سراج الدّولہ : ہم تمھیں بتا سکتے ہیں! امیر البحر کو شہ تم ہی سے ملی منشی جی! واٹس نے جو خط امیر البحر کو لکھا تھا اُس کا آخری جزو پڑھو۔

(منشی ایک اور خط نکال کر کھڑا ہوتا ہے اور پڑھنا شروع کرتا ہے)

منشی جی : "نواب پر ہرگز بھروسا نہیں کیا جا سکتا اور دانش مندی یہی ہے کہ چندر نگر پر حملہ کر دیا جائے۔"

سراج الدّولہ : اپنی دغا بازی کے اور ثبوت چاہئیں؟

واٹس : حضور، میں نے صرف اپنا فرض ادا کیا۔

سراج الدّولہ : فرض! تمھارا فرض ہے کہ جھوٹ بولو اور ایک حکومت کے ساتھ حلف اُٹھا کر عہدنامے پر دستخط کرو اور پھر اُس عہدنامے کی آڑ میں اُس حکومت کو ختم کرنے کی سازش کرو؟

واٹس : حضور، میں اور کیا عرض کر سکتا ہوں۔

سراج الدّولہ : عہدنامہ علی نگر کی رو سے تمھاری سزا موت ہے مگر ہم کو

اس حد تک جانا پسند نہیں۔ بس یہاں سے دور ہو اور پھر کبھی ہماری سلطنت
میں اپنا منہ نہ دکھانا۔

والٹس : اعلیٰ حضرت سے اجازت کا خواستگار ہوں۔
(تعظیم بجالا کر چلا جاتا ہے)

راج بلبھ : گستاخی معاف ہو، جہاں پناہ۔ کیا یہ مناسب نہ ہوتا کہ والٹس صاحب
کو قدرے کرم و نوازش کے ساتھ برخاست کیا جاتا ؟

سراج الدولہ : کرم و نوازش ! کہاں تک یہ مکر و فریب کی چکنی چپڑی باتیں۔
وقت آگیا ہے کہ بالکل صاف صاف باتیں ہوں۔ یہ نہ سمجھو کہ تم اور ہمارے
دوسرے وفادار خادم جو کر رہے ہیں اُس کی ہمیں خبر نہیں یا یہ کہ ہمیں
نہیں معلوم کہ ایسے نازک وقت میں جب کہ ملک کی تباہی سامنے آرہی
ہے تم رعایا کے دل میں ہماری عزّت کم کرنے کے لئے ہمارے متعلّق
جھوٹی کینہ آمیز افواہیں پھیلا رہے ہو۔ لالچ نے تمھیں اتنا اندھا کر دیا
کہ تم ہمارے اور ملک کے دشمنوں سے ساز باز کرنے لگے۔

میر جعفر : اعلیٰ حضرت کے دل میں اپنے وفادار خادموں کے بارے میں ایسے
غیر منصفانہ شبہات کیسے ہو سکتے ہیں ؟

سراج الدولہ : (میر جعفر کی طرف دیکھتے ہوئے) منشی جی ! وہ خط نکالو
جو والٹس نے میر جعفر علی خاں کو لکھا تھا۔

میر جعفر: واٹس کا خط، میرے نام؟

سراج الدّولہ: ہاں، ہمارے باوفا جاں نثار سپہ سالار کے نام!

(منشی خط نکال کر حکم کا منتظر کھڑا رہتا ہے۔ سراج الدّولہ انگلی سے میر جعفر کی طرف اشارہ کرتا ہے)

انھیں کو پڑھنے دو۔

(منشی میر جعفر کو خط دے دیتا ہے۔ میر جعفر اُسے پڑھ کر سخت متعجّب اور پریشان ہوتا ہے)

میر جعفر: (سرنگوں اور خوف زدہ) عالم پناہ مجھے ...... میری بابت کیا حکم ہے؟

سراج الدّولہ: تم ہی مشورہ دو کہ غدّاری کے مجرم کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے؟

میر جعفر: کیا... کیا، سرکار، مجھ پر فردِ جرم لگے گی؟

(سراج الدّولہ تخت سے اُتر کر میر جعفر کے پاس جاتا ہے اور نرمی سے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہے)

سراج الدّولہ: یہ وقت فردِ جرم یا الزام کا نہیں ہے بلکہ اتحاد اور تعاون کا۔ ملک کی آزادی خطرے میں ہے اور ہمیں اپنے خون کی آخری بوند سے اُس کی حفاظت کرنا ہے۔ اس کی خاطر میں سراج الدّولہ تمھارے

سامنے ہاتھ پھیلاتا ہوں کہ دل و جان سے میرا ساتھ دو۔

دیکھے بعد دیگرے دوسرے درباریوں کے قریب جاتا ہے،

راجا راج بلبھ! جگت سیٹھ! سپہ سالار رائے دُرلبھ! بنگال صرف

ہندوؤں کا وطن نہیں ہے نہ وہ اب غیر ملکی مسلمانوں کا مفتوحہ ہے۔

اب وہ ہم سب کا مشترکہ وطن ہے جو بھی اس مٹّی سے پیدا ہوا اور

جس کے دل میں وطن کی ایسی محبّت ہے جو اولاد کو ہونا چاہیئے۔ میں

اس وقت تم سے حکمران کی حیثیت سے بات نہیں کر رہا ہوں بلکہ تم

سب کی طرح اسی زمین کی ایک اولاد کی حیثیت سے۔ میں تم سے

منّت کرتا ہوں کہ للّٰلہ اُن کالے بادلوں کی طرف نظر کرو جو نہ معلوم

کس وقت ہمارے سر پر طوفان برپا کر دیں، اُن خون کی ندّیوں کا

خیال کرو جو بے گناہوں کے جسموں سے پھوٹ بہیں گی، اپنی

گزشتہ شان کو یاد کرو اور اُس ذلّت کا تصوّر کرو جو اگر اب بھی ہم خبردار

نہ ہوئے ہمیں برباد کر دے گی، اپنے ملک کا خیال کرو، اپنی دکھیاری

مادرِ وطن کا جو سسک سسک کر رو رہی ہے اور دعا مانگ رہی ہے

کہ خدا وہ دن لائے کہ اُس کی نیک دل مگر نکمّی اولاد میں کچھ حس و

حرکت آ جائے۔ اُسی مادرِ وطن کا واسطہ دے کر تم سے التجا کرتا ہوں

کہ آؤ اور مل کر اُسے اپنی وفاداری کا یقین دلائیں۔ اور قسم کھائیں کہ

کچھ بھی ہو اُس کے پیروں میں غلامی کی زنجیر نہیں پڑنے دیں گے۔

میر جعفر: سرکارِ عالم، میں دست بستہ معافی کا خواستگار ہوں اور دل و جان سے اپنے آقا کی خدمت کے لئے تیار ہوں۔

سراج الدّولہ: آفریں! آفریں! میں جانتا تھا، مجھے یقین تھا کہ واٹس نے جو تمھیں خود غرضی کا جامہ پہنانے کی کوشش کی تھی اُس پر تمہاری اصلی فطرت غالب آئے گی۔

موہن لال: سپہ سالارِ اعلیٰ کو میں امکانی تعاون اور خدمت کا یقین دلاتا ہوں۔

میر مدن: میں بھی اور میرے ساتھ فوج کے تمام جوان عہدے دار۔

راج بلبھ: جہاں پناہ سے ہم بصد ادب معافی کے خواستگار ہیں اور احکام خسروانہ کے منتظر ہیں۔

سراج الدّولہ: ہمیں یہ دیکھ کر مسرّت ہوتی ہے، بے حد مسرّت کہ ہم سب پھر اپنے ملک کی خدمت کے لئے متّحد ہو گئے ہیں۔ اپنا لائحۂ عمل طے کرنے کے لئے تمھیں سوچنے کو کچھ وقت چاہیئے۔ جاؤ، پھر ملیں گے۔ ہم تمھارے ممنون ہیں۔ جاؤ، خدا حافظ۔

(درباری چلے جاتے ہیں۔ سراج الدّولہ اُن کی طرف دیکھتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں)

غلام حسین!

(غلام حسین بڑھ کر سامنے آتا ہے)

غلام حسین : جی، سرکار!

سراج الدّولہ : کہو، اِن لوگوں کا جوش دیکھا؟

غلام حسین : حضور، بس دھویں کا جوش تھا، بھاپ کا نہیں۔

سراج الدّولہ : اور تم میں یقین کا جوش نہیں! کسی پر بھی اعتبار نہیں۔

(لطف النساء داخل ہوتی ہے۔ بہت پریشان اور غم زدہ معلوم ہوتی ہے)

لطف النّساء : میں انتظار کر رہی تھی کہ دربار کسی طرح ختم ہو۔ خالہ جان ہاتھ دھو کر
پیچھے پڑی ہیں۔ برابر مجھے اور سرکار کو بھی کوستی جاتی ہیں۔ گالیاں دیتی ہیں
سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسی انسان ہیں۔

سراج الدّولہ : تم خوش نصیب ہو کہ میرے گرد جو لوگ ہیں اُن سے تمھیں
سابقہ نہیں پڑتا۔ وہ کسی طرح بہتر نہیں ہیں۔ مجھے تخت پر بیٹھے صرف
ڈیڑھ سال ہوئے ہیں مگر اس قلیل مدّت میں انسان کی اتنی برائیاں
دیکھی ہیں کہ میرے دل سے اُس کی عزّت اُٹھ گئی۔

لطف النّساء : چلئے، سرکار، آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔

سراج الدّولہ : آرام! میرے لئے آرام کہاں جب تک پلاسی میری
قسمت کا فیصلہ نہ کر دے۔

لطف النّساء : پلاسی؟ میں سمجھی نہیں۔

سراج الدّولہ: پلاسی ایک گاؤں ہے، یہاں سے زیادہ دور نہیں۔ وہیں فرنگی فوج کا مقابلہ کرنا ہے جو ہمارے خلاف بڑھ رہی ہے۔

لطف النّساء: کیا جنگ ہونے والی ہے؟

سراج الدّولہ: ہاں، غالباً میری زندگی کی آخری جنگ جس کا نتیجہ فتح ہوگی یا موت۔

لطف النّساء: پلاسی؟

سراج الدّولہ: ہاں، میری جان، جس کی گود میں ہماری قسمت پنہاں ہے۔ شاید کسی زمانے میں، بہت مدّت ہوئی، وہاں لاکھوں پلاسا کے پھول کھل کر زمین کو زنگار رنگ کر دیتے تھے اور اسی سے اُس جگہ کا نام پلاسی پڑا۔ آج وہ پھول دکھائی نہیں دیتے مگر اُن کی تمنّائے رنگ فضا پر چھائی ہوئی ہے اور خون کی طالب ہے۔ خدا جانے پلاسی کی خشک زمین کس کے خون کی پیاسی ہے۔

پردہ

ایکٹ نمبر ۲

سین نمبر ۲

(عالیہ کا مکان چند روز بعد۔ پھوس کی ایک چھوٹی سی جھونپڑی ہے جیسے کسی معمولی گاؤں والے کی مگر نہایت صاف ستھری اور ہر چیز قرینے سے رکھی ہوئی ہے۔ عالیہ چٹائی پر بیٹھی ہے، ایک بانس سے ٹیک لگائے جس پر چھپّر رکھا ہے۔ اُس کے کھُلے بال شانوں پر پھیلے زمین تک لٹکے ہیں۔ چاندنی رات ہے اور چاند کی شعاعوں سے جھونپڑی روشن ہے۔ یوں تو ایک کونے میں چراغ بھی جل رہا ہے۔ عالیہ کوئی بھجن گنگنا رہی ہے۔ سراج الدولہ چُپکے سے داخل ہوتا ہے۔ غلام حسین ساتھ ہے مگر وہ دروازے ہی سے واپس جاتا ہے۔ عالیہ اپنے خیالات میں کھوئی ہوئی ہے اور سراج الدولہ کے آنے کی اُس کو خبر نہیں ہوتی ہے۔ سراج الدولہ

کچھ دیر خاموش عالیہ کو دیکھتا رہتا ہے)

سراج الدّولہ : (نرم آواز سے) عالیہ !

(عالیہ چونک کر اکبارگی کھڑی ہو جاتی ہے)

عالیہ : سرکار !

(سنبھل کر تعظیم بجالاتی ہے)

سراج الدّولہ : تم سے رخصت ہونے آیا ہوں۔ شاید پھر کبھی ملنا نہ ہو۔

عالیہ : یہ کیوں، حضور ؟

سراج الدّولہ : علی الصباح میں لڑائی پر جا رہا ہوں اور کون کہہ سکتا ہے کہ میدانِ جنگ میں کیا ہوگا۔

عالیہ : تو میں ..... میں .....

(اپنی بات روک کر خاموش ہو جاتی ہے)

سراج الدّولہ : خاموش کیوں ہو گئیں ؟ کیا کہہ رہی تھیں ؟

عالیہ : جی، کچھ بھی نہیں، سرکار ..... میں ..... میں سوچ رہی تھی کہ حضور کا یہاں رات کے وقت اکیلے آنا کہاں تک مناسب ہے۔

سراج الدّولہ : کیا تمھیں دُنیا کا خیال ہے کہ کیا کہے گی ؟

عالیہ : ہرگز نہیں، سرکار۔ میرا مطلب تھا کہ آپ کے گرد دُشمنوں کی کمی نہیں ہے۔

سراج الدّولہ : میں خوب جانتا ہوں۔ وہ مجھے بھولنے کب دیتے ہیں۔ مگر

میں جتنی ہی احتیاط کرتا ہوں اُتنی ہی اُن کی شقاوت اور بڑھتی جاتی ہے۔
اس لئے میں نے طے کر لیا ہے کہ اپنی حفاظت کا خیال ہی چھوڑ دوں۔
میں اس زندگی سے عاجز آ گیا ہوں ...... مگر تم مجھے بیٹھنے کو کیوں
نہیں کہتیں؟

عالیہ: حضور کے قابل یہاں بیٹھنے کی جگہ ہی کون ہے؟

سراج الدّولہ: تو پھر مجھے زمین پر بیٹھ جانے دو۔

(عالیہ گھبرا کر جلدی جلدی چٹائی کو کپڑے سے جھاڑتی ہے
اور سراج الدّولہ اس پر بیٹھ جاتا ہے)

ایک نواب کے لئے بھی یہی زمین اوّلین اور آخری آرام گاہ ہے....
اچھا، یہ تو بتاؤ، عالیہ، کہ تم اب میرے پاس آتی کیوں نہیں ہو؟

عالیہ: اب کوئی خبر حضور تک پہنچانے کی ہے ہی نہیں۔

سراج الدّولہ: وہ واٹس کا خط جعفر علی خاں کے نام جو تم نے راستے میں
روک لیا تھا وہ بہت کام آیا۔

عالیہ: یہ میری خوش نصیبی ہے۔

سراج الدّولہ: (کچھ رُک کر) اچھا بتاؤ میں اس وقت تمہارے پاس
آیا کیوں ہوں؟

عالیہ: اس ناچیز پر یہ روشن کرنے کے لئے کہ میں تمہارا کس قدر احسان مند

ہوں۔ اُس خط کے بغیر جعفر علی خاں کے ہوش درست نہیں ہو سکتے تھے۔

عالیہ: کوئی وجہ نہیں ہے کہ سرکار عالی ایک رقّاصہ کے احسان مند ہوں، ایک نکمّی رقّاصہ کے جو جاسوس بھی ہے۔

سراج الدّولہ: تم نہ رقّاصہ ہو نہ جاسوس۔

عالیہ: جاسوس نہ ہوتی تو وہ خط کیسے حاصل کر لیتی۔

سراج الدّولہ: تم نے جو بھی کیا ملک کی خدمت کے لئے کیا۔

عالیہ: کاش ایسا ہوتا۔ مگر گستاخی معاف ہو حضور، کاش مجھے اس کا یقین ہو سکتا کہ سرکار کی خدمت ملک کی بھی خدمت ہے۔

سراج الدّولہ: شاید پلاسی کے بعد تمھارا یہ شک رفع ہو جائے گا۔

عالیہ: کیا اپنے شبہے کا اعتراف کرکے میں نے حضور کو ناراض کر دیا؟ میں معافی کی خواستگار ہوں۔

سراج الدّولہ: تم نے اپنے شبہے کا اعتراف کیا۔ اب میری باری ہے کہ میں بھی ایک اعتراف کروں۔ یہ سوچ کر اپنے پر لعنت کرتا ہوں کہ اب تک میں نے عورتوں کو گڑیاں سمجھ کر اُن کے ساتھ محض کھیل کھیلا ہے......

عالیہ: (گھبرا کر) مگر حضور مجھے یہ کیوں بتاتے ہیں؟

سراج الدّولہ: تمھارے ہی سامنے مجھے اپنی کمزوریوں کا اقبال کرنا ہے۔

میری حیثیت کے اور لوگوں کی طرح میرے تصرّف میں بھی بہت سی خوب صورت
لڑکیاں تھیں اور میں نے اُن سے لطف اُٹھایا بلا اس خیال کے میں کیا کر رہا
ہوں اور عورت کا صحیح مقام کیا ہے۔ مگر میری آنکھیں اب کھل گئی ہیں
اور مجھے اس خواہش پرستی پر شرم آتی ہے، حالانکہ اب بھی جوان ہوں اور
میرے خون میں گرمی ہے۔

عالیہ : جو گیت میں گاتی ہوں اُن سے مجھے یہ سبق ملا ہے کہ جوانی اور خواہش کا
لازمی تعلّق نہیں ہے اور وہ جوانی جو خواہش پرستی سے پاک ہو خدا کا
بیش بہا عطیہ ہے۔

سراج الدّولہ : ہاں، میرا نفس تو خواہش پرستی سے پاک ہو گیا مگر......
مگر، عالیہ، میری روح ایک تمنّا سے بے چین ہے۔ اُس چیز کی تمنّا سے
جو مجھے نہ سلطنت سے حاصل ہو سکتی ہے نہ دولت سے نہ جاہ و ثروت
سے، جو مجھے میری بیوی سے بھی......

عالیہ : (اور زیادہ گھبرا کر) نہیں، نہیں حضور! آپ یہ سب ......

سراج الدّولہ : مجھے اپنا بیان پورا کر لینے دو۔ جس چیز کی میری روح بھوکی
ہے وہ مجھے ایک عورت ہی سے مل سکتی ہے، ایک مخصوص عورت سے۔
یقین مانو، یہ محض جنسی خواہش نہیں ہے۔ یہ ایک مرد کی فطری طلب ہے،
اپنی تکمیل کی طلب جو کسی عورت کی محبّت ہی سے پوری ہو سکتی ہے،

عورت کی محبت سے جو زندگی بخش بھی ہوتی ہے اور انسان کو برتر بھی بناتی ہے .... تم میری بات سمجھیں؟

عالیہ : میری ـ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا..... کہ حضور سے کیا کہوں۔

سراج الدّولہ : عالیہ، تمھیں میری بات کا یقین نہیں ؟ کیا تمھارا خیال ہے کہ میں محبت اور خواہش میں تمیز نہیں کر سکتا ؟ میں کسی پر ملکیت حاصل نہیں کرنا چاہتا بلکہ خود اپنے کو نذر کرنا چاہتا ہوں۔ میری روح بے تاب ہے کہ کسی دوسری ہستی میں جذب ہو جائے۔ یہی میرا حاصل زندگی ہوگا۔ اسی محبّت کی جنّت کے لئے میری روح تڑپ رہی ہے۔

عالیہ : حضور، میں ..... مجھے چکّر آ رہا ہے۔ مجھے معاف فرمایئے۔

(جھونپڑی کے باہر بھاگ جاتی ہے۔ سراج الدّولہ اپنے جذبات میں ڈوبا بیٹھا رہتا ہے۔ دور سے بانسری پر ایک کیف آور نغمے کی آواز آتی ہے۔ غلام حسین داخل ہوتا ہے اور ادب سے جھک کر کھڑا ہو جاتا ہے)

غلام حسین : سرکار!

(غلام حسین کی بھرّائی ہوئی آواز سُن کر سراج الدّولہ اُس کی طرف دیکھتا ہے)

سراج الدّولہ : کیوں، کیا تم رو رہے تھے؟

غلام حسین : (آنکھیں پونچھتے ہوئے) جی نہیں، حضور۔ عالیہ البتہ آنسوؤں سے
منہ دھو رہی ہے۔ یہ بھی نہیں بتاتی کہ حضور کو تنہا کیوں چھوڑ دیا۔

سراج الدّولہ : تمھیں معلوم نہیں کہ میری قسمت میں ساری زندگی تنہائی لکھی
ہے؟ ..... خیر، چلو۔

(اُٹھ کھڑا ہوتا ہے)

مجھے جو اُس سے کہنا تھا کہہ چکا تھا۔

غلام حسین : مگر شاید اُسے بھی حضور سے کچھ کہنا ہو۔

سراج الدّولہ : جب تک میں یہاں ہوں وہ واپس نہیں آئے گی۔

غلام حسین : نہیں حضور، اُسے اتنا بُرا نہ سمجھیے۔ وہ اپنے فرض اور آداب سے
اتنی بے خبر نہیں ہے۔

(عالیہ واپس آتی ہے اور غلام حسین باہر چلا جاتا ہے)

سراج الدّولہ : تمھاری طبیعت تو اب ٹھیک ہے؟

عالیہ : جی حضور، سرکار کی عنایت ہے۔

(ایک دوسرے کو اس طرح دیکھتے ہیں جیسے بولتے ڈر لگتا ہو)

سراج الدّولہ : عالیہ!

عالیہ : جی، سرکار۔

سراج الدّولہ : مجھے تم سے ایسی باتیں نہیں کرنا چاہئے تھیں جنھوں نے

تمھیں رولا دیا۔ میں نے تمھیں ناخوش کر دیا۔

عالیہ : نہیں، سرکار، وہ ناخوشی کے آنسو نہیں تھے۔

سراج الدّولہ : کیا.... تمھارا مطلب...... ؟

عالیہ : (جلدی سے) دیکھیے، سرکار! صبح ہو رہی ہے۔ ایک نیا دن!

سراج الدّولہ : میری زندگی کا سب سے درخشاں دن!

(پو پھٹتی ہے۔ چڑیوں کے چہچہانے کی آواز آتی ہے غلام حسین داخل ہوتا ہے)

غلام حسین : سرکار! سپہ سالار میر مدن صاحب حکم عالی کے منتظر ہیں۔

سراج الدّولہ : شکریہ، عالیہ، اس حسین صبح کا شکریہ! خدا حافظ!

عالیہ : خدا حافظ و ناصر! سرکار پر خدا کا سایہ رہے۔

(سراج الدّولہ باہر چلا جاتا ہے)

غلام حسین : عالیہ!

عالیہ : تم اس وقت کیسے آئے؟

غلام حسین : اعلیٰ حضرت کے ساتھ آیا تھا۔ میرے بغیر تم تک اُن کی پہنچ کیسے ہو سکتی تھی؟

عالیہ : تو کیا تم سارے وقت باہر کھڑے تھے؟ اندر کیوں نہیں چلے آئے؟

غلام حسین : غلام کو موقع محل دیکھنا چاہیے!

عالیہ : مسخرے پن کی باتیں چھوڑو۔
غلام حسین : وہ تو بہر حال چھوٹ جائیں گی۔ ہم اسی وقت میدانِ جنگ کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔
عالیہ : تم تو نہیں ؟ تم کوئی سپاہی تو ہو نہیں۔ اور میدانِ جنگ میں مسخروں کی کیا ضرورت ؟ خیر، مذاق چھوڑو۔ تم تو نہیں جا رہے ہو ؟
غلام حسین : اپنے بے یار و مددگار آقا کو اکیلا کیسے چھوڑ دوں کہ یہ بھیڑیے اُن پر ٹوٹ پڑیں۔
عالیہ : ہوں، ٹھیک کہتے ہو۔ چلو، میں بھی چلتی ہوں۔
غلام حسین : کیا ؟ تم وہاں کیا کرو گی ؟
عالیہ : کیا میں ایک مسخرے سے بھی زیادہ بے کار ہوں گی ؟
غلام حسین : اچھا، عالیہ، یہ تو بتاؤ کہ سرکار جو چاہتے تھے وہ ... اُس کا تم نے کیا جواب دیا ؟
عالیہ : نہ انھوں نے کوئی سوال کیا نہ میں نے کوئی جواب دیا۔
غلام حسین : تو پھر تم کیوں چلنا چاہتی ہو ؟
عالیہ : (شرارت کی مسکراہٹ کے ساتھ) مجھے تم سے اتنی محبت ہے کہ تم سے جُدا نہیں رہ سکتی۔

(دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑتے ہیں)

(پردہ)

ایکٹ نمبر ۲

سین نمبر ۳

(پلاسی کے میدانِ جنگ میں سراج الدّولہ کا خیمہ جو قیمتی سامان سے سجا ہے۔ جا بجا گدّے دار مونڈھے ہیں۔
اس سین کے دوران برابر توپ کی گرج، طبل کی چوٹ اور جنگ میں مشغول سپاہیوں کی چیخ پکار سنائی دیتی رہتی ہے، کبھی کم کبھی زیادہ۔ سراج الدّولہ مضطرب انداز سے چل پھر رہا ہے اور عالیہ ایک طرف کھڑی سراج الدّولہ کو دیکھتی جاتی ہے۔ سراج الدّولہ اُس کے قریب جاتا ہے)

سراج الدّولہ : تم یہاں کیوں آئیں ؟

عالیہ : مجھ سے نہ رہا گیا۔

سراج الدّولہ : کیا پاگل پن ہے !

(وہ مڑ کر دوسری طرف چلا جاتا ہے)

عالیہ : اگر سرکار کے لئے میرا آنا ناگوار خاطر ہو تو مجھے اجازت دیجیے۔

(سراج الدّولہ اِک دم مُڑ کر اُس کی طرف جاتا ہے اور مضطرب لہجے میں عالیہ سے مخاطب ہوتا ہے)

سراج الدّولہ : اس وقت تم باہر نکلیں تو گولوں سے اُڑ جاؤ گی۔

عالیہ : کیا حرج ہے۔ آپ کو مجھ سے چھٹکارا مل جائے گا۔

سراج الدّولہ : کس نے کہا کہ میں تم سے چھٹکارا چاہتا ہوں۔

عالیہ : تو پھر سرکار، مجھے بیٹھنے کی اجازت دیجیے، میں بہت تھک گئی ہوں۔

(سراج الدّولہ نہایت نرمی کے ساتھ بٹھاتا ہے)

سراج الدّولہ : مجھے معاف کرو۔ مگر عالیہ، جنگ کھیل نہیں ہے۔

عالیہ : یہ تو میں دیکھ رہی ہوں۔ ہر طرف گڑبڑ مچی ہے۔

سراج الدّولہ : ہاں مگر اس گڑبڑ میں توپ کے گولے اپنے نشانے پر بالکل صحیح جا پہنچتے ہیں!

(عالیہ اپنے کانوں کو دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیتی ہے)

عالیہ : کیسا کریہہ شور مچاتے ہیں!

سراج الدّولہ : کوئی گولہ اِس خیمے پر آگرے تب پتا چلے گا۔

عالیہ : کاش گرے اور ہم دونوں کو اُڑا دے، آسمان پر اُڑا دے، جہاں

نہ لڑائی جھگڑا ہے نہ جھوٹ اور دغا بازی، جہاں سوائے امن اور مسرت کے کچھ نہیں۔

سراج الدّولہ: تم بھی کیا بچّی ہو کر ایسے وقت میں یہ فضول باتیں سوجھتی ہیں۔

عالیہ: زندگی کے آخری لمحوں میں بچّہ بننے میں کیا مضائقہ ہے۔

سراج الدّولہ: یہ تم نے کیوں فرض کر لیا کہ سفر کی آخری منزل آگئی؟

عالیہ: فرض کرنے کا کیا سوال۔ جب سے میں آئی ہوں آپ برابر مجھ سے باتیں کئے جاتے ہیں۔ اور جنگ کی طرف دھیان ہی نہیں دیتے۔ اگر صاحبِ سلطنت کا یہ حال ہو کہ زندگی اور موت کے معاملے کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے تو پھر سوائے ہلاکت کے اور نتیجہ ہو ہی کیا سکتا ہے۔

(سپہ سالار میر مدن داخل ہوتا ہے اور تعظیم بجا لاتا ہے۔ عالیہ کھڑی ہو کر ایک طرف ہو جاتی ہے)

میر مدن: حضور! کلایو نے اپنی فوج لکھ پیڑے کے شمال کی طرف لگا دی ہے۔ ہماری فوج جھیل کے اُس طرف ہے اور برابر دشمن پر آگ برسا رہی ہے۔ اب اُس کے لئے وہاں ٹکنا ناممکن ہو گیا ہے۔

سراج الدّولہ: بہت خوب! شاباش!

(موہن لال داخل ہوتا ہے)

موہن لال: سرکار! سپہ سالار کو حکم دیجئے کہ فوراً حملہ کر دیں۔ ایک لمحے کی

بھی دیر نہیں ہونا چاہیے۔

سراج الدّولہ : یہ کیا؟ میر مدن تو کہتے ہیں کہ لڑائی کا رُخ بالکل ہمارے موافق ہے۔

موہن لال : ہماری گولہ باری نے دشمن کی فوج میں تہلکہ برپا کر دیا مگر اب کلایو آم کے باغ کی طرف ہٹ رہا ہے۔ اگر ہم نے فوراً دھاوا نہیں کر دیا تو اس کی فوج لکھ پیڑے میں پناہ لے لے گی۔ جہاں سے اُس کو کوئی ہلا نہ سکے گا۔ پھر ہماری گولہ باری بالکل ضایع ہو گی۔

سراج الدّولہ : اچھا، تمھاری رائے سے ہم سپہ سالار اعلیٰ کو مطلع کر دیں گے۔ تم اپنی اپنی جگہ پر واپس جاؤ۔

(موہن لال اور میر مدن چلے جاتے ہیں)

غلام حسین!

(غلام حسین داخل ہوتا ہے)

غلام حسین : جی، حضور!

سراج الدّولہ : کسی کو فوراً میر جعفر علی خاں کے پاس بھیجو اور ہماری جانب سے کہلا دو کہ ما بدولت نہیں چاہتے کہ کلایو لکھ پیڑے تک پہنچ پائے۔

(غلام حسین چلا جاتا ہے)

پر انشاء اللہ فتح ہماری ہی ہو گی۔

عالیہ: جب آپ کے سپہ سالار کو مکمّل شکست ہولے گی تب ہی۔

سراج الدّولہ: کیا بے تکی باتیں کرتی ہو؟

عالیہ: حضور! اگر آپ اُن کو پوری طرح قابو میں نہ رکھیں گے تو دیکھیے گا کہ فتح بھی آپ کے قابو سے نکل کر کلایو کی ہو جائے گی۔

سراج الدّولہ: اُن کے ساتھ ناانصافی نہیں کرنی چاہیے انھوں نے قرآن پاک اٹھا کر وفاداری کی قسم کھائی ہے۔

عالیہ: نہ واٹسن صاحب کی انجیل عیسائیوں کی انجیل پاک ہے نہ میر جعفر علی خاں کا قرآن مسلمانوں کا قرآن پاک۔

(غلام حسین داخل ہوتا ہے)

غلام حسین: سپہ سالارِ اعلیٰ تشریف لے آئے ہیں۔

(میر جعفر داخل ہوتا ہے)

میر جعفر: حضور کی فوج کا سپہ سالار کون ہے؟

سراج الدّولہ: یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ تمھارے سوا اور کون۔

میر جعفر: تو پھر براہِ کرم میرے پاس قاصد نہ بھیجیے جو مجھے یہ بتائیں کہ جنگ کس طرح کرنا چاہیے۔ یہ میں نہیں برداشت کر سکتا۔

(وہ چلا جاتا ہے)

سراج الدّولہ: کیوں، غلام حسین، سپہ سالار نے اپنے آقا کے ساتھ یہ

سخت کلامی کیوں کی ؟

غلام حسین : اس سے تو، حضور، یہی ظاہر ہوتا ہے کہ فرنگیوں کی فتح ہو رہی ہے۔

سراج الدّولہ : کیا مطلب تمھارا ؟ یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔

غلام حسین : سرکار غلام کو معاف فرمائیں۔ میں مذاق نہیں کر رہا تھا، ایک تلخ حقیقت بیان کر رہا تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ اعلیٰ حضرت کے سپہ سالارِ اعلیٰ دشمن سے ملے ہوئے ہیں۔

(موہن لال بدحواس داخل ہوتا ہے)

موہن لال : سرکار ! اگر سپہ سالار اعلیٰ فوراً حملے کا حکم نہیں دیں گے تو یقیناً ہمیں شکست ہو گی۔

سراج الدّولہ : موہن لال تم مثل ہمارے بھائی کے ہو۔ جو مناسب سمجھو کرو اور کسی کے حکم کا انتظار نہ کرو۔

موہن لال : مگر، حضور، یہ تو کسی طرح صحیح نہ ہو گا۔ جنگی حکم سپہ سالار ہی سے ملنا چاہیے۔ اس کی خلاف ورزی جرم ہی نہیں ہے بلکہ اس سے فتح بھی معرض خطر میں آجائے گی۔

(وہ چلا جاتا ہے)

غلام حسین : آسمان پر اندھیرا چھا رہا ہے۔

سراج الدّولہ : اور یہ جنگ، غلام حسین ؟

غلام حسین : سرکار کے وفادار سپاہیوں کا خون بے کار بہے گا اور آپ کے دغاباز غدّار سپہ سالار بامُراد ہوں گے۔

(ایک ہرکارہ داخل ہوتا ہے)

ہرکارہ : سرکار! سپہ سالار میر مدن صاحب....

سراج الدّولہ : وہ بھی دشمن سے مل گئے؟

ہرکارہ : وہ، حضور..... وہ مارے گئے۔

سراج الدّولہ : مارے گئے، میر مدن مارے گئے؟ اور موہن لال؟

ہرکارہ : راجا موہن لال صاحب اور جرنیل سِنفرے صاحب فرنگی فوج پر حملہ کر رہے ہیں جو لکھ پیڑے میں جم گئی ہے۔

سراج الدّولہ : جاؤ اور اُن سے کہہ دو کہ ہم اُن کی فتح کے منتظر ہیں۔

(تعظیم بجا لا کر ہرکارہ چلا جاتا ہے)

غلام حسین : سپہ سالار اعلیٰ چاہتے تو کلایو نیست و نابود ہو جاتا۔

عالیہ : سرکار خود اپنے ہاتھ میں فوج کی کمان کیوں نہیں لیتے؟

(میر جعفر داخل ہوتا ہے)

سراج الدّولہ : جعفر علی خاں، کیا یہ واقعہ ہے کہ میر مدن جنگ میں کام آگئے؟

میر جعفر : کوئی سپہ سالار بھی جو اُس عہدے کا مستحق ہو ایسی حماقت نہ کرتا جیسی میر مدن نے کی۔ مجھے یہ کہنا پڑتا ہے، حضور، کہ میر مدن جنگ میں

نہیں کام آئے بلکہ انھوں نے خودکشی کرلی۔

سراج الدّولہ : ہماری فوج کا وہ سب سے جری اور قابلِ اعتماد سپہ سالار تھا۔

میر جعفر : اور سب سے زیادہ ناتجربہ کار بھی۔ مگر، حضور، یہ وقت اچھائیاں بُرائیاں شمار کرنے کا نہیں ہے۔ ہم سب کو افسوس ہے کہ وہ مارے گئے۔ مگر میں اس وقت سرکارِ عالی کی اجازت حاصل کرنے آیا ہوں کہ ایک شب کے لئے جنگ ملتوی کردی جائے۔

سراج الدّولہ : کیا؟ التوائے جنگ جب فتح نظر آرہی ہے؟

میر جعفر : حضور، میر مدن کی موت سے فوج ہراساں ہوگئی ہے۔ ایسی حالت میں اُسے آگے بڑھانا مناسب نہ ہوگا۔ رائے دُرلبھ، یار لطیف اور باقی سب سردار مجھ سے اتفاق کرتے ہیں۔ صرف موہن لال اور سنفرے کی سمجھ میں یہ موٹی بات نہیں آتی۔

سراج الدّولہ : نہ ہماری سمجھ میں آتی ہے۔

میر جعفر : سرکار یقین فرمائیں کہ ایک شب کے آرام کے بعد فوج تازہ دم ہوجائے گی اور دشمن کو شکست فاش دے سکے گی۔

سراج الدّولہ : اور کلایو رات کی تاریکی میں اچانک حملہ کردے تو؟

میر جعفر : یہ تو التوائے جنگ کی شرائط کی خلاف ورزی ہوگی اور مجھے یقین ہے کہ کلایو ہرگز ایسا نہیں کرے گا۔

سراج الدّولہ : ہمیں اس سے اتّفاق نہیں ہے۔ تم جانتے ہو کہ ان لوگوں نے
عہد نامہ علی نگر پر دستخط کر کے اُس کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

میر جعفر : تو کیا سرکار کا حکم ہے کہ میں اپنے منصب سے سُبکدوش ہو جاؤں۔

سراج الدّولہ : یہ تو التوائے جنگ کی اجازت دینے سے بھی بڑھ کر حماقت
ہو گی۔

میر جعفر : تو پھر سرکار مجھے اجازت دیں کہ التوائے جنگ کا حکم دے دوں۔

(جواب کا انتظار کئے بغیر وہ تعظیم بجا لاکر رخصت ہو جاتا ہے۔
سراج الدّولہ پاس کے مونڈھے پر بے جان ہو کر بیٹھ جاتا ہے)

سراج الدّولہ : جنگ ختم ہو گئی اور میرا بھی خاتمہ ہو گیا۔

عالیہ : نہیں، نہیں، حضور! یہ نہ فرمائیے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا!

غلام حسین : سرکار ہم ہرگز شکست نہیں مانیں گے۔ ایک اور فوج تیّار کریں گے
اور آزادی کے لئے لڑتے رہیں گے۔ اگر ہم ناکام بھی ہوئے اور مارے
گئے تو پھر پیدا ہوں گے۔ اور دغا بازوں نے جو یہ کلنک کا ٹیکا ہمارے
لگایا ہے اُسے مٹا کر رہیں گے۔

سراج الدّولہ : میرے دوست، تمھارے جذبات کی میں قدر کرتا ہوں،
مگر یہ کیسے معلوم کہ غدّار بھی پھر نہیں پیدا ہوں گے؟

عالیہ : سُنئے! میدانِ جنگ میں بالکل سنّاٹا ہو گیا۔

غلام حسین : میر جعفر نے لڑائی بند کر دی۔

(موہن لال اور سنفرے ہیجانی انداز سے داخل ہوتے ہیں)

موہن لال : سرکار! کیا آپ نے سپہ سالار اعلیٰ کی دغا فریب کی تجویز منظور فرمائی ہے؟

سراج الدّولہ : اور ہم کر ہی کیا سکتے تھے؟

سنفرے : حضور، دشمن ہتھیار ڈالنے ہی والا تھا۔

موہن لال : کلائیو امان مانگنے پر مجبور ہو جاتا۔

سراج الدّولہ : اور پھر فوج میں بغاوت ہو جاتی۔

موہن لال : سرکار، میں اپنی تلوار سے دست بردار ہوتا ہوں۔ میں ایک دغا باز سپہ سالار کی ماتحتی نہیں کر سکتا۔

(وہ اپنی تلوار سراج الدّولہ کے سامنے رکھ دیتا ہے)

سنفرے : میری تلوار بھی حاضر ہے۔

(وہ بھی اپنی تلوار سراج الدّولہ کے سامنے رکھ دیتا ہے)

سراج الدّولہ : باوفا سپہ سالارو! کیا تمھارے خیال میں اس کا تمھیں حق ہے کہ عین جنگ کے دوران اپنے منصب سے دست بردار ہو جاؤ؟ التوائے جنگ سے جنگ ختم تو نہیں ہو جاتی۔

موہن لال : سرکار کو اختیار ہے کہ ہماری گرفتاری کا حکم صادر فرمادیں۔

سراج الدولہ : اتنی آسانی سے مسئلے حل نہیں ہوتے۔ سپہ سالار اعلیٰ کا خیال ہے کہ فوج کو دم لینے کی ضرورت ہے اور انھوں نے التوائے جنگ کا اعلان کر دیا ہے۔ اُس کی پابندی لازمی ہے۔

(دونوں کی تلواریں اُٹھا کر اُن کو واپس دے دیتا ہے)

اپنے خیموں کو واپس جاؤ۔ ہم کو غدّاروں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر کیسے جا سکتے ہو؟

(اِک دم توپوں کی آواز آتی ہے اور پھر لڑائی کا شور ہوتا ہے)

موہن لال : دیکھا، سرکار! دغابازوں نے التوائے جنگ سے فائدہ اٹھا لیا۔

سنفرے : چلیئے، راجا صاحب۔ اُن بزدل بے ایمانوں نے حملہ کر دیا۔

(سنفرے اور موہن لال دوڑتے باہر چلے جاتے ہیں)

سراج الدّولہ : اور اب، غلام حسین؟

غلام حسین : حضور، مرشد آباد کو بچانا ہے۔

سراج الدّولہ : صاف کہو۔ تمھارا مطلب ہے کہ ہم میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ جائیں؟

غلام حسین : حضور، ابھی موقع ہے کہ اگر ہم مرشد آباد جلد پہنچ جائیں تو نئی فوج اکٹھّا کر سکتے ہیں۔

عالیہ : (منت کے لہجے میں) سرکار!
سراج الدّولہ : تمھارا بھی یہی خیال ہے، عالیہ؟
غلام حسین : حضور، ایک لمحہ بھی ضایع نہیں کرنا چاہیئے۔ میر جعفر....
سراج الدّولہ : کلایو کے ساتھ آتے ہوں گے اور فرنگی ہتھیاروں کے سائے میں میرے لئے بیڑیاں جھنجھنائیں گے۔

(عالیہ سسکی بھرتی ہے)

نہیں، عالیہ۔ رومت۔ یہ تو ہمیشہ سے زمانے کا دستور رہا ہے کہ ہارے ہوئے حکمران دنیا کی بدترین مخلوق سمجھے جاتے ہیں اور کامیاب غدّاروں کو مجاہد اور غازی کے لقب دئے جاتے ہیں۔

غلام حسین : وقت جا رہا ہے، سرکار۔
سراج الدّولہ : اچھا، چلو چل کر دیکھیں کہ مرشد آباد میں اب بھی ہمارے لئے کوئی جگہ ہے۔ آؤ، چلو۔

(غلام حسین سراج الدولہ کو اُس کی تلوار پیش کرتا ہے۔ پھر تینوں باہر چلے جاتے ہیں۔ لڑائی کا شور غل بڑھتا جاتا ہے۔ اتنے میں کچھ خادم نواب کا توشہ لے کر داخل ہوتے ہیں۔ دستر خوان بچھا کر اس پر کچھ قابیں رکھتے ہیں)

پہلا خادم : ارے، اعلیٰ حضرت تو یہاں ہیں نہیں۔

دوسرا خادم : تماشہ دیکھنے تشریف لے گئے ہوں گے۔
تیسرا خادم : اور واپس آئیں گے تو بھوکے شیر کی طرح ہوں گے۔
پہلا خادم : اور تب تک کھانا تو ٹھنڈا ہو کر مٹّی ہو چکا ہو گا۔
تیسرا خادم : اگر اس سے پہلے اس لڑائی کے طوفان نے یہ خیمہ ہی ٹھنڈا نہ کر دیا تو۔
دوسرا خادم : ارے لڑائی کہاں۔ وہاں تو بھاگ دوڑ کا کھیل ہو رہا ہے۔
راجا موہن لال صاحب اور وہ فرانسیسی جرنیل بے چارے بھگدڑ سے پسپے جا رہے ہیں۔
پہلا خادم : ایسے وقت میں اعلیٰ حضرت باہر تشریف ہی کیوں لے گئے؟
تیسرا خادم : بھاگو! بھاگو! فرنگی آ رہے ہیں۔

(تینوں خادم ایک دروازے سے بھاگ جاتے ہیں اور دوسرے دروازے سے کلایو داخل ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے واٹس ہے)

واٹس : یہ لیجئے کرنل صاحب۔
کلایو : یہی نواب کا خیمہ ہے؟
واٹس : جی، کرنل صاحب۔ یہیں وہ ایک مسخرے اور ایک رنڈی کے ساتھ عیش کرتا ہے۔
کلایو : کیا اعلیٰ رفیق ہیں ایک حکمران کے لئے! مگر وہ ہے کہاں؟
واٹس : یہیں کہیں ہو گا۔

کلایو : مجھے تو لگتا ہے کہ وہ نکل بھاگا۔

واٹس : یہ لیجیے، ہمارے دوست میر جعفر علی خاں آ گئے۔

کلایو : میری انگلیاں پا جائیں تو ایسے غدّار کا گلا گھونٹ دیں۔

واٹس : گھبرائیے نہیں، کرنل صاحب۔ وہ موقع بھی آئے گا۔

(میر جعفر اور امیر چند داخل ہوتے ہیں)

شاباش، سپہ سالار صاحب!

کلایو : مبارک ہو، میر جعفر علی خاں۔

میر جعفر : سپہ سالار میں کیسا ہی ہوں، مگر ایک قابلِ اعتماد دوست ہونے کا تو میں نے ثبوت دے دیا۔ کیوں، واٹس صاحب؟

واٹس : بے شک، آپ نے اپنا جوہر پوری طرح دکھا دیا!

کلایو : مگر نواب کہاں ہے؟

میر جعفر : ابھی تھوڑی دیر ہوئی تو یہیں ایک رقّاصہ سے تفریح کر رہے تھے۔

کلایو : آثار اچھے نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا۔

واٹس : مرشد آباد کچھ دور نہیں ہے، کرنل صاحب۔

کلایو : مجھے معلوم ہے۔ مگر اس کا تعاقب خود اس کے آدمیوں کو کرنا چاہیے، ہم کو نہیں۔ میر جعفر علی خاں!

میر جعفر : (تعظیماً جھک کر) جی حضور! کیا حکم ہے؟

کلایو : فوراً مرشد آباد جائیے اور اس کا انتظام کیجیے کہ نواب بھاگنے نہ پائے۔
ہم اب مرشد آباد ہی میں ملیں گے اور وہیں آپ کو تخت پر بٹھا کر
میں آپ کو بنگال بہار اور اُڑیسہ کے فرماں روا کی حیثیت سے سلام
کروں گا۔

پردہ

ایکٹ نمبر ۳

سین نمبر ۱

(سراج الدولہ کے محل کا ایک کمرہ۔ روشنی بہت دھندلی ہے۔
لطف النّساء ایک تخت کے کنارے بیٹھی ہے اور اس کی شیر خوار بچی
اس کے پاس لیٹی ہے۔ غلام حسین اور عالیہ کھڑے ان کی طرف
دیکھ رہے ہیں اور لگتا ہے جیسے کسی کے انتظار میں ہیں۔ بالکل
خاموشی ہے اور فضا مایوسی اور پریشانی سے بوجھل ہے سراج الدولہ
چُست قدموں سے اس طرح یکبارگی داخل ہوتا ہے کہ سب چونک پڑتے
ہیں، خصوصاً لطف النّساء)

سراج الدّولہ : لُطفا! تمھارے والد آئے ہیں۔

لطف النّساء : وہ اس وقت کیسے آئے؟

سراج الدّولہ : میں نے انھیں بلایا تھا کہ کچھ دنوں کے لئے تمھیں اور

بچّی کو پناہ دے دیں۔

لطف النّساء: ایسے وقت میں آپ کو چھوڑ کر میں پناہ لوں! مجھے نہیں معلوم تھا کہ سرکار کی نظروں میں میں اس درجہ گر گئی ہوں۔

سراج الدّولہ: ایسے الفاظ زبان سے نہ نکالو، لطفا۔ کوئی خوشی سے تھوڑے ہی تمھیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ مگر جو میری قسمت میں لکھا ہے وہ تمھارے لئے مجھے منظور نہیں ہے۔

لطف النّساء: عورت کی قسمت وہی ہے جو اس کے سرتاج کی۔ میرا مرنا جینا اپنے آقا ہی کے ساتھ ہے۔

سراج الدّولہ: تم نہیں سمجھتیں کہ صورتِ حال کس قدر نازک ہے۔

لطف النّساء: موت سے زیادہ کیا ہوگا؟ اور موت آئے گی تو اس مصیبت کی زندگی سے نجات مل جائے گی۔ غلام حسین!

غلام حسین: جی سرکار!

لطف النّساء: جاؤ، ابّا حضور سے کہہ دو کہ وہ زحمت نہ فرمائیں۔

(غلام حسین باہر جاتا ہے)

ہم لوگ کہاں جائیں گے، سرکار؟

سراج الدّولہ: غلام حسین نے ایک کشتی کا انتظام کیا جو ہمیں پٹنے پہنچا دے گی۔ وہاں ہمارے وفادار دیوان، جانکی رام، ہمیں پناہ دیں گے۔ تنّا صاحب،

وہ فرانسیسی، بھی وہاں ہوں گے اور مجھے یقین ہے کہ وہ بھی ہماری امداد کریں گے۔ اُن دونوں کی مدد سے خدا نے چاہا تو ایک نئی فوج کھڑی کر کے ہم مرشد آباد واپس آئیں گے۔ اپنی سلطنت اور اپنے لوگ پھر لیں گے۔

(غلام حسین داخل ہوتا ہے)

غلام حسین: (لطف النّساء سے) سرکار، آپ کے والد صاحب کا تو کہیں پتا نہیں۔

سراج الدّولہ: ایسے کڑے وقت میں باپ بھی اپنی مصیبت زدہ بیٹی کو نہیں پوچھتا۔

لطف النّساء: نہ مصیبت زدہ بیٹی کو یہ چاہیے کہ اپنے شوہر کو سخت تر مصیبت کے حوالے کر کے خود باپ کی پناہ تلاش کرے۔

غلام حسین: حضور ایک گھنٹے کی دیر ہو چکی ہے۔

لطف النّساء: سرکار، میں تیّار ہوں۔

(لطف النّساء بچّی کو ہاتھوں پر اُٹھا کر چھاتی سے لگا لیتی ہے اور پھر عالیہ کی طرف بڑھتی ہے)

کیوں، عالیہ، تم ہمارے ساتھ نہ چلو گی؟

عالیہ: کاش میں چل سکتی، سرکار! مگر غلام حسین کو اور مجھے یہیں رہنا ہے تاکہ دشمنوں کو آپ کا پتا نہ چلنے پائے۔

لطف النساء : یہ سوچ کر شرمندہ ہوتی ہوں کہ میں نے کبھی تمھیں محل مبارک میں قدم رکھنے کو بھی منع کر دیا تھا۔

عالیہ : میں نے اُس وقت بھی سرکار سے عرض کیا تھا کہ محل میرے لئے موزوں نہیں ہے۔

سراج الدّولہ : یہ تم نے مجھے نہیں بتایا کہ بیگم صاحبہ نے تمھیں منع کیا تھا اس لئے تم نے آنا بند کر دیا۔

عالیہ : وہ ہم دونوں کی اپنی بات تھی۔ حضور سے اُس کو کوئی تعلق نہ تھا۔

سراج الدّولہ : مجھ میں اتنی ہمّت نہیں کہ تم سے کہوں ہمارے ساتھ چلو۔

عالیہ : سرکار واقف ہیں کہ کس وجہ سے میں مجبور ہوں۔

سراج الدّولہ : مگر جو خطرہ میرے لئے ہے وہی تم دونوں کے لئے بھی تو ہے۔

غلام حسین : اُس کی کوئی بات نہیں۔ آپ پر ہماری جیسی ہزاروں جانیں قربان ہوں۔ آپ ہی سے ملک کے پھر آزاد ہونے کا سہارا ہے۔

(سراج الدّولہ غلام حسین سے بغل گیر ہوتا ہے)

سراج الدّولہ : میرے دوست! کتنی بار میں نے تم کو غلام اور بے وقوف کہہ کر تمھاری توہین کی۔ مجھے معاف کر دو۔

غلام حسین : میری یہی تمنّا ہے کہ جب تک زندہ ہوں آپ کا غلام ہی کہہ کر پکارا جاؤں۔

سراج الدولہ : آؤ، لطفا۔ سارے بنگال، بہار اور اُڑیسہ کا نواب اپنے محل
کے دو سب سے بے بہا جواہر لے کر چوروں کی طرح رات کے اندھیرے
میں بھاگا جارہا ہے۔

(لطف النساء کے شانوں کو آغوش میں لے کر رخصت ہوتا ہے۔
دروازے پر مُڑ کر ایک آخری نظر ڈالتا ہے)

ہم کو رخصت کرنے نہیں آؤ گے؟

غلام حسین : نہیں، حضور۔ کسی کو شبہہ نہیں ہونا چاہیے۔ آپ کا ایک وفادار خادم
آپ کو چور دروازے کے باہر ملے گا اور آپ کو کشتی تک پہنچا دے گا۔

سراج الدولہ : اچھا، خدا حافظ، میرے عزیز دوستو! خدا حافظ، عالیہ!

غلام حسین : خدا حافظ، سرکار!

عالیہ : خدا حافظ و نگہبان!

(سراج الدولہ لطف النساء اور بچّی کے ساتھ باہر چلا جاتا ہے۔
عالیہ اور غلام حسین بُت بنے پُرنم آنکھوں سے اُنھیں دیکھتے رہتے
ہیں اور جب وہ نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں تو ایک دوسرے
کی طرف مُڑتے ہیں)

غلام حسین : اور اب؟

عالیہ : یہیں غدّاروں کا انتظار کرنا ہے۔

غلام حسین : (ہاتھ ملتے ہوئے) بڑا مزا آئے گا اُن حرامزادوں کو پریشان کرنے میں۔ اُن کے ہاتھوں سے اس طرح پھسل پھسل کر نکلیں گے جیسے مچھلیاں......

عالیہ : اور جب سولی پر لٹکائے جائیں گے۔ تو خوب ناچیں گے !

(مشعلوں کی روشنی قریب آتے دکھائی دیتی ہے۔ میر جعفر کا لڑکا میرن داخل ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے کچھ مشعل بردار اور سپاہی ہیں)

میرن : ہے ! تم کون ہو وہاں ؟

غلام حسین : تم ہمیں کیا جانو !

میرن : ابے حرامزادے ! تیرا نام کیا ہے ؟

غلام حسین : نوساختہ نواب زادوں ہی کو نام کی حاجت ہوتی ہے۔ ہم گمناموں کو نام کی کیا ضرورت۔

میرن : اچھا، تو یہ تُو ہے بدمعاش !

غلام حسین : بڑے ہوشیار ہو کہ یہ معلوم کر لیا !

میرن : اور یہ تیرے ساتھ کون ہے ؟ دیکھوں تو۔

(عالیہ کے قریب جاتا ہے)

ارے تم، عالیہ !

عالیہ : کیوں، میرن، مجھے دیکھ کر خوش نہیں ہوئے ؟

میرن : مگر وہ اب کہاں ہے؟ کہاں چھپا ہے؟

عالیہ : اللہ جانے!

میرن : تم بھی تو جانتی ہو۔ بتاؤ نا کہاں ہے؟

عالیہ : مجھے کیا سمجھتے ہو؟

میرن : وقت نہ ضایع کرو۔ جلد نہیں بتاتی ہو تو پھر تم سے دوسرے طریقے سے پوچھنا پڑے گا۔

عالیہ : میرن پیارے! کبھی مجھے دھمکیوں سے ڈرتے دیکھا ہے؟

میرن : پرانے تعلقات کے خیال سے تمھیں کچھ مہلت دیتا ہوں کہ سمجھ داری سے کام لو جب تک سنوں یہ غلام کیا کہتا ہے۔

غلام حسین : یہ غلام زبان دراز نہیں ہے!

میرن : سنو، عالیہ۔ بتا دو تو تمھیں بھاری انعام ملے گا۔

عالیہ : سچ؟

میرن : قسم خدا کی!

عالیہ : دیکھو، میرن اعلیٰ حضرت کو ایک ذرا سی بات بتائی تھی تو اس کے انعام میں انھوں نے یہ موتیوں کا ہار بخشا تھا۔ اب تم ایسی بات پوچھنا چاہتے ہو جو کہیں زیادہ اہم ہے تو پھر تم کو قیمت بھی اس سے کہیں بھاری ادا کرنا پڑے گی۔

(رائے دُرلبھ داخل ہوتا ہے)

رائے دُرلبھ: نواب زادے صاحب! آپ کے والد ماجد اعلیٰ حضرت نواب صاحب مرشد آباد تشریف لے آئے ہیں اور انھیں اس بات کی انتہائی تشویش ہے کہ معزول شدہ نواب کہاں ہیں۔

غلام حسین: اُنھیں معزول کس نے کیا اور کب؟

رائے دُرلبھ: خاموش، بدتمیز کہیں کا!

میرن: ان دونوں کو معلوم ہے مگر یہ بتلاتے نہیں ہیں۔

رائے دُرلبھ: بول اُلّو۔ تیرے آقا کہاں ہیں؟

غلام حسین: سوائے اعلیٰ حضرت کے اور کسی کا حکم سُننے کا عادی نہیں ہوں۔

رائے دُرلبھ: سُن، بدمعاش۔ میں نواب زادے صاحب کی طرح نرم دل نہیں ہوں۔

غلام حسین: کیا مجھے پتا نہیں کہ تمھارا دل ایک غدّار کا ہے!

(رائے دُرلبھ اُسے طمانچہ مارتا ہے)

شاباش بہادر! اگر یہ تو بتاؤ کہ پلاسی میں یہ دلیری کہاں تھی؟

رائے دُرلبھ: عالیہ، تم سمجھ دار ہو۔ بتاؤ وہ کہاں ہیں؟ یہ موتیوں کا ہار انھوں نے تمھیں قاسم بازار کے کارخانے میں دیا تھا۔ میں تمھیں اس سے بھی بیش قیمت انعام دوں گا۔

عالیہ: قاسم بازار کا ذِکر کرتے تمھیں شرم نہیں آتی؟ کیا بھول گئے کہ وہاں تم

اعلیٰ حضرت کے ملازم کی حیثیت سے گئے تھے۔ انھیں غدّاروں کو حراست
میں لینے کے لئے جن کو اب تم نے دوست بنالیا ہے ؟

رائے دُرلبھ : نواب زادے صاحب ! اس چالاک عورت سے ہم واقف ہی ہیں۔
یہ اس طرح آسانی سے نہیں اُگلے گی۔ ان دونوں کو قید خانے بھجوا دیجئے۔
جب شکنجے میں کسے جائیں گے تو خوب بولنے لگیں گے ۔

میرن : ٹھیک کہتے ہو، سپہ سالار۔ ان ہی سے اعلیٰ حضرت ۔ اُن پرانے اعلیٰ حضرت
کا پتا معلوم ہو سکتا ہے۔

عالیہ : اور یہ غدّاروں سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔

میرن : دیکھ لیں گے ۔ ہے ! ان کو قید خانے لے جاؤ۔ داروغہ سے میری طرف
سے کہہ دو کہ جو جی چاہے کرے مگر اُن سے پرانے نواب کا پتا معلوم کر لے۔

(سپاہی غلام حسین اور عالیہ کی طرف بڑھتے ہیں)

غلام حسین : خبردار ! ہم پر ہاتھ نہ ڈالنا۔ ٹھیک طرح سے رہو ہم خود تمھارے
ساتھ بخوشی چلنے پر تیار ہیں ۔ ان غدّاروں کی منحوس صورتیں تو نہیں
دیکھنا پڑیں گی۔

(میرن کی طرف مُڑتا ہے)

اور جعفر علی، غدّاروں کے سرغنہ، بدیسی لٹیروں کے ذلیل آلۂ کار،
قوم فروش جعفر علی کے بیٹے ! لعنت ہو تجھ پر ! تھو !

(غلام حسین مُنہ بنا کر تھوکتا ہے اور سپاہی اُسے اور عالیہ کو سختی سے باہر ڈھکیل دیتے ہیں)

میرن : بھلا کہاں ہوگا وہ؟

رائے دُرلبھ : لگتا ہے کہ بھاگ گیا۔

میرن : لگتا وگتا نہیں، جاؤ، پتا چلاؤ۔

رائے دُرلبھ : نواب زادے صاحب!

میرن : کہو، کیا ہے؟

رائے دُرلبھ : کیا اب مجھے آپ کی تابعداری کرنا ہوگی؟

میرن : یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے اعلیٰ حضرت، میرے والد ماجد، تخت نشین ہوں گے مگر ظاہر ہے کہ حکومت کا بوجھ مجھے سنبھالنا پڑے گا۔

(میرن باہر چلا جاتا ہے اور اُس کے پیچھے سپاہی اور مشعل بردار، سوائے ڈو کے جو رائے دُرلبھ کے ساتھ رہ جاتے ہیں۔
رائے دُرلبھ میرن کی طرف غیض اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتا رہتا ہے)

رائے دُرلبھ : ہوں!

(چند لمحے خاموش کھڑا رہتا ہے اور پھر اکبارگی چلا جاتا ہے)

مشعل بردار : (شانوں کو جنبش دے کر، کیا دنیا ہے! غدّار بھی خوددار بننے لگے!

(پردہ)

ایکٹ نمبر ۳

سین نمبر ۲

(سراج الدولہ کے محل کا قید خانہ جو نہایت گندہ اور تاریک ہے۔ کونے میں ایک مٹی کا چراغ ٹمٹما رہا ہے جس کی دُھندلی روشنی میں غلام حسین اور عالیہ دو کھمبوں سے زنجیروں میں بندھے دکھائی دیتے ہیں۔ اُن کے چہروں کے کرب سے پتا چلتا ہے کہ اُن کو سخت اذیت دی گئی ہے۔ قید خانے کا داروغہ ایک طرف ہاتھ میں کوڑا لیے کھڑا ہے)

غلام حسین : عالیہ! ابھی زندہ ہو؟

عالیہ : سانس تو چل رہی ہے۔

داروغہ : قیدیوں کو آپس میں بات کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

غلام حسین : کتنے رحم دل ہو!

(میرن داخل ہوتا ہے)

میرن: انھوں نے اقبال کیا؟

داروغہ: جی نہیں، عالی جاہ۔

میرن: (عالیہ کے قریب جاتے ہوئے) کیوں، عالیہ، کچھ سست معلوم ہوتی ہو۔ آج چہرے پر وہ رونق نہیں ہے!

(میرن ٹھٹھا مار کر ہنستا ہے اور پھر داروغہ سے مخاطب ہوتا ہے)

اب کھول دو انھیں۔ سنو، باغیو، تمھارا آقا پکڑ لیا گیا۔

عالیہ: نہیں، نہیں! یہ جھوٹ ہے!

میرن: ابھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔

(میرن باہر چلا جاتا ہے۔ داروغہ دونوں کی زنجیریں کھول دیتا ہے اور وہ زمین پر ڈھیر ہو جاتے ہیں۔ داروغہ باہر چلا جاتا ہے)

عالیہ: کیا یہ سچ ہے..... جو میرن نے کہا؟

غلام حسین: کسے معلوم قسمت کا پھیر کیا دکھاتا ہے۔

عالیہ: میرا دل گواہی نہیں دیتا کہ خدا کو یہ خاتمہ منظور تھا۔

غلام حسین: خدا کی خلقت میں کبھی خاتمہ نہیں ہوتا۔ جب معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز کا خاتمہ ہو گیا تو دراصل وہ ایک نئی ابتدا ہوتی ہے۔ جیسے

رات کی گہری تاریکی ایک نئی صبح کی دلیل ہوتی ہے۔

عالیہ : یا خدا، کیا کروں ؟ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے...... کاش میں قربان ہو گئی ہوتی۔ یہ دن نہ دیکھتی۔

(عالیہ بے اختیار سسکی بھر کر روتی ہے)

غلام حسین : سنو، عالیہ، تمھیں ایک کہانی سناؤں۔ ایک انتہائی بہادر اور اولوالعزم لڑکی تھی۔ وہ کہتی تھی کہ جب وہ اپنے آقا کا نام لے کر سولی پر چڑھے گی تو خوب خوب ناچے گی....

عالیہ : بس! بس! زخموں پر نمک نہ چھڑکو...... معلوم نہیں اُن پر کیا گزری۔

(میرن سراج الدّولہ کو اندر ڈھکیل دیتا ہے۔ اُس کے ہاتھ پیچھے بندھے ہیں)

میرن : یہ لو تمھاری نئی سلطنت!

(داروغہ سراج الدّولہ کے پیچھے داخل ہوتا ہے اور قید خانے کا دروازہ بند کر کے ایک طرف چُپکے سے کھڑا ہو جاتا ہے)

عالیہ : اعلیٰ حضرت!

سراج الدّولہ : اب اعلیٰ حضرت کہاں، عالیہ!

غلام حسین : سرکار، انسان کی برتری اس کے اعمال سے ہوتی ہے،

طاقت، رُتبہ یا القاب سے نہیں۔

سراج الدّولہ : اعمال! یہ میرے اعمال ہی تو ہیں جن کی وجہ سے ایک ذلیل مُجرم سے بھی بدتر ہوں۔

غلام حسین : سرکار، یہ لوگ کچھ بھی کریں آنے والی نسلیں آپ کو ہمیشہ عزّت اور احسان مندی کے ساتھ یاد کریں گی ۔ اُن کی نظروں میں آپ ایک شہید ہوں گے جو اپنے زمانے کی سب سے برتر ہستی تھا اور جس نے آزادیٔ وطن کے لئے اپنی جان تک قربان کر دی۔

سراج الدّولہ : سب بے سود! بے کار!

غلام حسین : آپ کی ناکامی دراصل ساری قوم کی دردانگیز داستان ہے۔ اور چوں کہ یہ ایک قومی المیہ ہے آپ کی ناکامی میں جو عظمت پنہاں ہے وہ روشن ہو کر رہے گی اور اُس سے آنے والی نسلوں میں اس کا ولولہ پیدا ہوگا کہ مُلک کو اس قعرِ مذلّت سے نکالیں۔

سراج الدّولہ : میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب میں اپنے درباریوں سپہ سالاروں اور عزیزوں تک کی محبّت نہ حاصل کر سکا تو تم دونوں کی محبّت مجھے کیسے نصیب ہوئی۔

عالیہ : یہ تو ہماری خوش نصیبی ہے۔

غلام حسین : سرکار، ہمارے دل آپ کی عزّت اور محبّت سے منوّر ہیں

کیوں کہ ہمیں اپنے ملک سے محبّت ہے۔ اوروں کو ملک کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

عالیہ: مگر، حضور کو ان لوگوں نے پایا کیسے؟

سراج الدّولہ: بھگوان گولے میں ایک مندر کے قریب بیگم اپنے شوہر اور بچّی کے لیئے کچھ کھانا تیّار کر رہی تھیں۔

عالیہ: ہائے، توبہ!

سراج الدّولہ: کھانا پکاتی جاتی تھیں اور ہم سے باتیں کرتی جاتی تھیں۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ مسکرا رہی تھیں یا رو رہی تھیں کیوں کہ چولھے کی آگ اور دُھویں سے اُن کا چہرہ سُرخ ہو گیا تھا اور آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

عالیہ: سرکار کو اس ذِکر سے تکلیف ہو رہی ہے۔

سراج الدّولہ: نہیں، عالیہ۔ یہ یاد کر کے اور اُس کا بیان کر کے مجھے فخر اور خوشی ہوتی ہے کہ ایک عالی مرتبہ بیگم نے مصیبت کا اس خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا اور اپنے شوہر اور بچّی کی دیکھ بھال میں اس قدر مستعد اور خوش رہی۔

غلام حسین: اب حضور نے عورت کے کردار کو پہچان لیا۔

سراج الدّولہ: خدا کرے پہچان لیا ہو۔

عالیہ : اور خدا نے آپ کو سچی محبت کی نعمت بخش دی۔

سراج الدولہ : کاش ایسا ہی ہو۔ بہر حال بچی کے لئے یہ نیا تماشا تھا کہ اپنی ماں کو چولہا پھونکتے دیکھے اور وہ جھکتی جاتی تھی۔ مندر کا پجاری ہمیں دیکھ رہا تھا اور شاید ہماری کسی بات سے اُس کو شبہہ ہو گیا۔ وہ وہاں سے غائب ہو گیا اور غالباً اُسی نے میر قاسم کو اطلاع کر دی کیوں کہ میر قاسم ہی ہم کو گرفتار کر کے یہاں لے آئے۔

غلام حسین : تو کیا، حضور، میر قاسم کی بھی تخت پر نظر ہے؟

سراج الدولہ : کس کی نہیں ہے، سوائے تمھارے اور عالیہ کے۔

عالیہ : مگر بیگم صاحبہ اور بچی کہاں ہیں؟

سراج الدولہ : خدا ہی جانے!

عالیہ : آپ کو اُن سے جدا کرتے حرامزادوں کے ہاتھ نہ ٹوٹ گئے!

سراج الدولہ : میں تو ان کا احسان مند ہوں کہ میرا سر تن سے جدا کرنے سے پہلے ہم کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔

عالیہ : خدا کی لعنت ہو اُن نمک حراموں پر!

غلام حسین : نہیں، عالیہ! کسی کو بھی اُس کے افعال کا مجرم نہ ٹھہراؤ۔ افعال حالات کا لازمی نتیجہ ہوتے ہیں۔ انسان از خود نہ رحم دل ہوتا ہے نہ سنگ دل، نہ فرشتہ بن سکتا ہے نہ شیطان۔ یہ سب حالات

ہی پر منحصر ہے۔ حالات ہی انسان کی تقدیر ہیں۔

عالیہ: تقدیر! انسان کی بزدلی، غدّاری اور اُس کے کمینے پن کا الزام تقدیر پر کیوں دھرتے ہو؟ تقدیر نہیں پلاسی کے غدّاروں نے آج ہم کو یہ دن دکھایا۔

غلام حسین: عورت کا طیش اُس کی نظر پر پردہ ڈال دیتا ہے، عالیہ۔ ہم سب اپنے حالات سے مجبور ہیں۔ پلاسی میر جعفر اور اُس جیسے حقیر بدیوں کا کارنامہ نہیں تھا بلکہ ہمارے ماضی اور حال کا لازمی نتیجہ تھا۔ وہ ٹل نہیں سکتا تھا۔ اور اگر سمجھو تو یہ تقدیر کی نعمت ہے کہ ہماری قوم کی اخلاقی تنزلی صاف طور سے نمایاں ہو جائے اور ..... اس طرح ہم کو نجات کا راستہ مل جائے۔

(سراج الدّولہ خیالات میں ڈوبی نظروں سے غلام حسین کی طرف دیکھتا ہے۔ روشن دان سے سورج کی ایک کرن سراج الدّولہ کے چہرے کو منوّر کر دیتی ہے۔ اُس کے چہرے پر انتہائی سکون اور اطمینان ہے، جیسے کسی طوفان سے گزر کر اپنی منزل پر پہنچ گیا ہو۔)

سراج الدّولہ: (آہستہ آہستہ گویا الفاظ تول کر) تم ٹھیک کہتے ہو، میرے دوست۔ پلاسی ہمارے طویل سفر کی ایک منزل تھا، شرم ناک منزل مگر پھر بھی محض ایک منزل۔ ہم اُس منزل پر گر پڑے۔ یہ ہماری

کمزوری تھی۔ مگر خدا سے دُعا ہے کہ گرتے گرتے ہم نے ایک مشعل روشن
کر دی ہو جس سے دوسروں کو آگے بڑھنے میں مدد ملے۔ ایک دن
آئے گا جب وہ منزلِ مقصود پر پہنچ کر اپنے وطن کی کھوئی ہوئی
عزّت پھر حاصل کر لیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ!

(سراج الدّولہ کی اس تقریر کے دوران عالیہ اُس کے پاس
جاتی ہے اور گھٹنوں کے بل جُھک کر اُس کے دامن کو
اپنی آنکھوں اور پیشانی سے لگاتی ہے۔ تقریر کے ختم پر
غلام حسین دُعائیہ انداز سے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا دیتا ہے۔
داروغۂ زنداں سراج الدولہ، عالیہ اور غلام حسین کی باتیں
سُنتے سُنتے برابر چپکے سے دروازہ کھول کر باہر جھانکتا رہتا
ہے۔ سراج الدّولہ کی آخری تقریر کے دوران اُس نے
دروازہ کھول کر باہر کسی سے کچھ سرگوشی کی اور اب بڑھ کر وہ
سراج الدّولہ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر جھک جاتا ہے)

داروغہ: غلام دست بستہ معافی کا خواستگار ہے۔

(عالیہ اور غلام حسین کی طرف مڑتا ہے)

آپ دونوں بھی مجھے معاف کر دیں۔ میں نے آپ کے ساتھ بہت بُرا
سُلوک کیا۔

سراج الدّولہ : تمھارا کیا قصور۔ ہم سب کی طرح تم بھی حالات سے مجبور ہو۔
داروغہ : میں نے جو کچھ کیا محض اس خیال سے کیا کہ کسی کو شبہہ نہ ہونے پائے مگر ایک لمحہ کے لئے بھی میں یہ نہیں بھولا کہ اعلیٰ حضرت کا ادنیٰ نمک خوار ہوں۔ میری طرح اور بھی ہیں جو اپنے آقا کے لئے جان دینے کو تیّار ہیں۔ وہ باہر انتظار کر رہے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کو کسی محفوظ جگہ پہنچا دیں۔ سرکار تشریف لے چلیں۔ وقت بہت کم ہے۔
سراج الدّولہ : تمھاری وفاداری کی قدر کرتا ہوں۔ مگر مجھے اب زندگی کی کوئی تمنّا نہیں ہے۔ جو ہونا تھا ہوگیا، جو باقی ہے اُسے بھی ہونے دو۔
غلام حسین : نہیں، حضور، ایسا نہ فرمایئے۔ قسمت ساتھ دے تو اُسے ٹھکرانا نہیں چاہیئے۔ اِن کی درخواست قبول فرمایئے۔
عالیہ : سرکار! للّٰلہ چلے جایئے۔

(داروغہ اس دوران جلدی جلدی سراج الدّولہ کے بندھے ہاتھ کھول دیتا ہے)

داروغہ : اعلیٰ حضرت اب تاخیر نہ فرمائیں۔ بالکل وقت نہیں ہے۔
غلام حسین : حضور کی سلامتی پر ہی ملک کی آزادی کا دارومدار ہے اپنا نہیں ملک کا خیال کیجیئے اور ان کے ساتھ تشریف لے جایئے۔

سراج الدّولہ: مگر میں تم دونوں کو دشمنوں کے رحم وکرم پر کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ میں ہرگز تمھارے بغیر نہ جاؤں گا۔

عالیہ: خدا کے واسطے، سرکار، چلے جائیے۔ ہماری فکر نہ کیجیے۔ ہمیں کچھ نہ ہوگا۔

داروغہ: وقت جا رہا ہے، حضور۔

سراج الدّولہ: میں نے کہہ دیا کہ ان کے بغیر نہ جاؤں گا۔

داروغہ: دیکھ سوچ کر، جو اعلیٰ حضرت کا حکم۔ مگر ہم کو ایک ساتھ نہیں جانا چاہیے۔

(داروغہ جا کر چپکے سے دروازہ کھولتا ہے اور سر باہر نکال کر کسی سے سرگوشی کرتا ہے اور پھر غلام حسین کو اشارہ کرتا ہے۔ غلام حسین باہر چلا جاتا ہے)

بہتر یہی ہے کہ ہم ایک ایک کر کے جائیں۔

(عالیہ کو اشارہ کرتا ہے اور وہ باہر چلی جاتی ہے۔ چند لمحے انتظار کر کے سراج الدّولہ کی روانگی کے لئے تعظیماً ایک طرف کھڑا ہو جاتا ہے)

سب خیریت ہے۔ اعلیٰ حضرت بسم اللہ فرمائیں۔

(سراج الدّولہ دروازے کی طرف بڑھتا ہے۔ دفعتاً کچھ گڑبڑ

کی آواز آتی ہے جیسے کچھ لوگ لڑ رہے ہوں ۔ اور پھر ایک
آدمی تیزی سے اندر گھس آتا ہے)

سراج الدولہ :

(محمدی بیگ کھلی مسکراہٹ کے ساتھ جھک کر مبالغہ آمیز
کورنش بجالاتا ہے)

محمدی بیگ : غلام ہمیشہ اپنے آقا کی خدمت کے لئے حاضر ہے !

(داروغہ دروازے کے باہر جھانکتا ہے اور خوف زدہ ہو جاتا ہے)

داروغہ : اعلیٰ حضرت !

سراج الدولہ : ہاں، ہاں، چلو۔

محمدی بیگ : ذرا ٹھیریئے !

سراج الدولہ : (اس کی طرف مڑ کر) کیا ہے ؟

(محمدی بیگ سراج الدولہ کے پاس جاتا ہے اور اچانک
اپنا خنجر نکال کر اس پر پورا وار کرتا ہے۔ سراج الدولہ
کراہتے ہوئے گر پڑتا ہے)

غلام حسین !..... عالیہ !

(غلام حسین اور عالیہ کو پکارتے وقت سراج الدولہ نے
سر کو اٹھایا تھا اب سر زمین پر گر پڑتا ہے)

محمدی بیگ : اُن کی فکر نہ کیجئے۔ وہ بالکل محفوظ ہیں !

(داروغہ کی طرف مڑتا ہے)

کیوں، ٹھیک کہتا ہوں نا؟

(زور سے قہقہہ لگاتا ہے۔ داروغہ دہشت زدہ اور سراسیمہ
دروازے کی طرف دیکھتا ہے۔ میر جعفر داخل ہوتا ہے۔
اُس کے پیچھے کچھ سپاہی ہیں۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھتا ہے اور
اُس کی نظر سراج الدولہ کی لاش پر پڑتی ہے۔ اُس کے
قریب جاتا ہے)

میر جعفر : افسوس، غرور اور بے وقوفی نے تمھارا یہ حشر کیا۔ ہم تم پر رحم کرتے
مگر محمدی بیگ نے زیادہ عجلت سے کام لیا۔

محمدی بیگ : سرکار، خطرہ مٹانے میں جتنی بھی عجلت کی جائے کم ہے۔
اب آپ کا تخت ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت نواب
میر جعفر علی خاں زندہ باد !

جملہ سپاہی : اعلیٰ حضرت نواب میر جعفر علی خاں زندہ باد !!

(پردہ)